یارب صل وسلم دآئماً ابداً
علی حبیبک خیر الخلق کلھم

خطباتِ بنگلور

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

ایفا پبلیکیشنز، نئی دھلی

خطبات بنگلور

’’جس میں سیرت نبوی بحیثیت اسوہ مطالعہ کرنے کی دعوت دی گئی ہے، پیغمبر اسلام ﷺ کے حالات قبل نبوت، مکی زندگی اور مدنی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے سبق آموز پہلوؤں کو واضح کیا گیا ہے اور آپ ﷺ کی تعلیمات کے امتیازی پہلو وحدت الٰہ، وحدت رسالت، وحدت انسانیت، وحدت قانون اور شریعت محمدی ﷺ کے اعتدال کی وضاحت کرنے کے علاوہ خود مسلمانوں کو وحدت واجتماعیت کی طرف بلایا گیا ہے‘‘۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

(سابق قاضی شریعت امارت شرعیہ بہار واڑیسہ، سکریٹری جنرل اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	خطبات بنگلور (اول)
مؤلف	:	حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ
صفحات	:	۱۶۰
طباعت (اول)	:	۱۹۹۸ء
طباعت (دوم)	:	۲۰۱۰ء
قیمت	:	
ISBN	:	978-81-910932-4-7

ناشر

ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

۱۶۱-ایف بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸

جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

ای میل: ifapublications@gmail.com

فون: 011 - 26981327

مجلس ادارت

۱- مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی
۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی
۳- مولانا بدر الحسن قاسمی
۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۵- مولانا عتیق احمد بستوی
۶- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

بسم الله الرحمن الرحيم

وہ دانائے سبل ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارہ راہ کو بخشا فروغ وادی سینا

فہرست مضامین

دیباچہ طبع جدید	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۳
تعارف	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۴
افتتاحیہ	حضرت مولانا مفتی اشرف علی سعودی	۱۹
پہلا خطبہ		۴۴-۲۵
سیرت نبوی کا مطالعہ - کیوں؟		۲۷
مطالعہ سیرت کا مقصد		۲۸
سیرت کا مطالعہ بطور اسوہ		۲۹
مطالعہ سیرت کا دوسرا رخ اور آج کا سب سے بڑا فتنہ		۳۱
ولادت نبوی ﷺ		۳۶
ضرورت نبوی ﷺ		۴۰
دوسرا خطبہ		۷۴-۴۵
حیات نبوی ﷺ - ولادت تا ہجرت		۴۷
رضاعت		۴۹
بچپن		۴۹
انجمن حلف الفضول کا قیام		۵۲

تعمیر کعبہ اور حجر اسود کی تنصیب	۵۴
ازدواجی زندگی	۵۴
وحی کا آغاز	۵۵
پہلی وحی کی معنویت	۵۶
خلق محمدی ﷺ -حضرت خدیجہ کے الفاظ میں	۵۹
پہلے ایمان لانے والے	۶۴
حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام	۶۴
مصائب اور ابتلائیں	۶۵
ایک اور آزمائش	۶۷
بائیکاٹ	۶۸
اسلام کی راہ میں پہلی قربانی	۶۹
ہجرت حبش	۷۰
جاہلیت کی رات اور اسلام کی صبح	۷۱
تیسرا خطبہ	۷۵-۱۰۴
حیات نبوی ﷺ -شعب ابی طالب تا وفات	۷۷
شعب ابی طالب میں بائیکاٹ	۷۷
واقعہ معراج	۷۹
طائف کے بازار میں	۸۲
چھوٹی سی مسلم آبادی میں بھی اجتماعیت کا نظم	۸۴
تو برائے وصل کردن آمدی!	۸۴

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا	۸۶
اللہ ہمارے ساتھ ہے	۸۸
ایک نکتۂ غور وفکر	۸۹
مدینہ میں طلوع بدر	۹۰
پہلا معرکہ حق	۹۱
معرکہ احد	۹۳
غزوہ خندق اور اس کے بعد اسلام کے خلاف گہری سازش	۹۳
فتح مکہ	۹۵
پہلی اسلامی ریاست کے خدوخال	۹۶
یہودیوں کی بدعہدی	۹۸
وفات	۱۰۰
نبی ﷺ کی اپنی امت سے محبت	۱۰۱
چوتھا خطبہ	۱۰۵ - ۱۳۰
اسوہ محمدی ﷺ-عصر حاضر کے مسائل کا حل!	۱۰۷
کائنات کا نظام محض اتفاق نہیں!	۱۰۷
توحید-پیغام محمدی ﷺ کی اصل	۱۱۱
وحدت رسالت	۱۱۱
وحدت انسانی	۱۱۲
اسلام نے عورت کو عزت دی	۱۱۲
خاندان وجہ تعارف نہ کہ وجہ تفاخر	۱۱۳

وحدت قانون	۱۱۶
وحدت اعمال	۱۱۶
قانون کون بنائے؟	۱۱۷
شریعت اسلامی میں وسعت اور مختلف ماحول کا ساتھ دینے کی صلاحیت	۱۱۸
قانونی مساوات	۱۲۰
صلاحیتوں کا صحیح اور غلط استعمال ہی خیر وشر ہے	۱۲۱
انسانی صلاحیتوں کے بارے میں مذاہب کا رویہ	۱۲۴
افراط وتفریط	۱۲۵
اسلامی اور مغربی تہذیب میں بنیادی فرق	۱۲۶
اگر جوہر ایمان حاصل ہو جائے	۱۲۷
مغربی تہذیب میں خاندانی نظام کا بکھراؤ	۱۲۸
سیرت محمدی ﷺ — درد کا درماں!	۱۲۹
پانچواں خطبہ	۱۳۱–۱۶۰
سیرت نبوی ﷺ کا پیغام امت محمدیہ کے نام!	۱۳۳
ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے	۱۳۴
امت کو جوڑنے والی سیرت	۱۳۵
عدل — شریعت اسلامی کی روح!	۱۳۸
عدل سے مراد	۱۳۹
قرآن میں ''میزان'' سے مراد	۱۴۲
تخلیق کائنات میں توازن	۱۴۳

اسلامی تعلیمات - عدل و اعتدال کی تصویر!	۱۴۵
طلاق کے معاملہ میں اسلام کا اعتدال	۱۴۶
دولت کا ارتکاز ۔ فساد کی جڑ!	۱۴۷
برکت کی حقیقت!	۱۴۸
لاٹری	۱۵۰
زکوٰۃ	۱۵۱
نظام میراث	۱۵۱
وصیت	۱۵۳
موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کے بوجھ سے دبا ہوا انسان	۱۵۵
خلق نبوی ﷺ	۱۵۷
علم الاخلاق کے لئے بھی وحی الٰہی ضروری!	۱۵۹

﴿لقد كان لكم فی رسول الله أسوة حسنة﴾

(الاحزاب:۲۱)

دیباچہ طبع جدید

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ ان عبقری شخصیتوں میں تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے گہرے علم، وسیع مطالعہ، غیر معمولی ذکاوت، اپنے عہد کے تقاضوں کا شعور، تڑپتے ہوئے دل، دلآویز قلم اور اثر انگیز خطابت کے جوہر سے نوازا تھا، انھوں نے اپنی زندگی میں کتنی تقریریں کیں اس کا شمار نہیں، انہیں تقریروں میں سیرت کے موضوع پر ہونے والے یہ خطبات ہیں جو مسلمانان بیرون کی دعوت پر انھوں نے دیئے تھے، یہ مجموعہ خطبات بیرون کے نام سے پہلی بار آبجیکٹیو سینٹر بنگلور سے اور دوسری بار اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا سے شائع ہو چکے ہیں۔ ان خطبات میں قارئین کو وہ نکات ملیں گے جنہیں ''فقہ السیرۃ'' کہا جاتا ہے، یعنی سیرت کے واقعات سے ملنے والے عملی زندگی کے اسباق۔ بحمد اللہ ان خطبات کو بڑی پذیرائی حاصل ہوئی، عرصہ سے یہ کتاب دستیاب نہیں تھی، اب اکیڈمی کا ذیلی ادارہ ''ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی'' نئی اور عمدہ کمپوزنگ کے ساتھ اس کتاب کا نیا ایڈیشن شائع کر رہا ہے، امید کہ اہل علم اس سے فائدہ اٹھائیں گے، اور صاحب خطبات کو اپنی دعاء میں یاد رکھیں گے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ

خالد سیف اللہ رحمانی

۲۱؍شوال ۱۴۳۱ھ
یکم اکتوبر ۲۰۱۰ء

تعارف

بحیثیت مسلمان ہمارا عقیدہ ہے کہ پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں، سلسلہ نبوت پوری طرح آپ پر ختم ہو چکا ہے۔ قرآن مجید آخری کتاب ہے، جسے انسانیت کے رب نے انسانیت کی طرف بھیجا ہے اور آپ کی لائی ہوئی شریعت آخری شریعت ہے، جس میں نہ کوئی رد و بدل ہو سکتا ہے اور نہ کوئی اضافہ و کمی، یہ عقیدہ اس بات کو بھی شامل ہے کہ اب آپ ﷺ ہی کی حیاتِ طیبہ پوری انسانیت کے لئے اسوہ ہے۔ وہ جغرافیائی حدوں سے ماوراء ہے اور قیامت تک آنے والی انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ نہ کسی ایک قوم، ایک رنگ و نسل اور ایک علاقہ کے لوگوں کے لئے مخصوص ہے اور نہ کسی ایک زمانہ اور ایک عہد تک محدود ہے۔ اسی لئے قرآن نے آپ ﷺ کی ذات والا صفات کو تمام عالم کے لئے رحمت قرار دیا ہے اور آپ ﷺ کو انسانیت کے لئے بہترین اسوہ و نمونہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔

اس لئے آپ ﷺ کی زندگی ایک ایسا گل سدا بہار اور مہر عالم تاب ہے جو ہمیشہ انسانیت کو عطر بار کرتا رہے گا اور جس کی روشنی سے انسانیت کبھی بے نیاز نہیں ہو سکے گی۔ آج انسان جن بے شمار فکری، سماجی، تہذیبی، معاشی اور دیگر مسائل سے دوچار ہے اور صورتِ حال یہ ہے کہ وہ اپنی مشکلات کی ڈور کو جتنا سلجھانا چاہتا ہے وہ اسی قدر الجھتی چلی جاتی ہے۔ ان کا حل اس کے بغیر ممکن نہیں کہ وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی حیات و تعلیمات کی طرف رجوع کرے اور ہم مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس حقیقت کو سمجھیں کہ سیرت محمدی ﷺ ہمارے ہاتھوں میں امانت ہے اور اس امانت کو پوری انسانیت تک پہنچانا ہمارا فریضہ منصبی ہے۔

اس فرض کی انجام دہی کے لئے کتنی ہی کتابیں ہیں جو سیرت نبوی ﷺ پر لکھی گئیں اور نہ معلوم کتنے خطبات ہیں جو اس مبارک و مسعود موضوع پر دیئے گئے ہوں گے۔ زبان کے لئے اس موضوع پر اظہارِ خیال سعادت عظمیٰ ہے اور قلم کے لئے اس موضوع پر جنبش زادِ آخرت ہے۔ سیرت پر عام تقریروں اور بیانات کی مجلسیں تو منعقد ہوتی ہی رہتی ہیں، لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ اس موضوع پر ایسے خطبات بھی منعقد کئے جائیں جن کا رنگ تذکیری بھی ہو اور عالمانہ بھی، جو دل کو بھی غذا پہنچاتی ہو اور دماغ کو بھی۔ جو عمل کی تحریک کا بھی باعث ہو اور فکر کی اصلاح کا ذریعہ بھی۔ ایک زمانہ میں مدراس کے بلند حوصلہ اور عالی ہمت اصحاب ذوق نے اپنے یہاں ایسے خطبات کا نظم کیا تھا اور کئی مؤقر علمی شخصیتوں کے خطبات کا اہتمام کیا تھا۔ اسی سلسلہ کی یادگار مؤرخ اسلام اور ممتاز سیرت نگار علامہ سید سلیمان ندویؒ کے وہ بصیرت افروز اور ولولہ انگیز خطبات ہیں جو ''خطباتِ مدراس'' کے نام سے معروف و مقبول ہیں اور بار بار پڑھنے کے باوجود ان خطبات کی تازگی اور دلآویزی میں کوئی فرق نہیں آتا۔

بنگلور چنئی سے کچھ زیادہ دور نہیں۔ بحمد اللہ اب اہلِ بنگلور نے اس سلسلہ کو شروع کیا ہے اور ۱۹۹۷ء سے سیرت نبوی ﷺ پر خطبات کے سلسلہ کا آغاز عمل میں آیا ہے۔ خطبات کے اس مبارک و مسعود اور عظیم الشان سلسلہ کے آغاز کے لئے ان کی نگاہ ملتِ اسلامیہ ہند کے خضر طریق اور اس زیر طوفان سفینہ کے ناخدا فقیہہ النفس حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلامی قاسمیؒ (سابق قاضی شریعت بہار و اڑیسہ) پر پڑی، اور یقیناً ان سے بڑھ کر شاید کوئی اور شخصیت اس کے لئے موزوں نہیں ہو سکتی تھی۔ کیوں کہ یہ علماء و دانش ور، دینی جامعات کے فضلاء اور عصری علوم کے ماہرین، مسلم اور غیر مسلم مرد و خواتین، مختلف پیشوں اور مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والوں کا ایک مشترک اجتماع تھا۔ اس کے لئے ایک ایسی شخصیت مطلوب تھی جو ان مختلف الفکر اور مختلف المذاق لوگوں سے خود ان کی زبان میں گفتگو کر سکے اور ان کے قلب و ذہن کو مطمئن

کر سکے، اور اس کے لئے بہ ظاہر اس وقت حضرت قاضی صاحبؒ سے بڑھ کرموزوں اور اہل کوئی اور شخصیت نظر نہیں آتی۔ چنانچہ ان خطبات کو بڑا قبول حاصل ہوا اور پورا شہر ان مؤثر خطبات کو سننے کے لئے اُمڈ آیا۔

صاحبِ خطبات نہ صرف عمیق اور ہمہ جہت علم کے حامل تھے، بلکہ زمانہ شناسی اور وقت کی نباضی کا بھی خداداد ملکہ رکھتے تھے اور انہوں نے فکر ارجمند کے ساتھ ساتھ دل دردمند بھی پایا تھا۔ ایک ایسا دل کہ دنیا میں کہیں بھی کسی مسلمان کو کوئی کانٹا چبھے اور وہ تڑپ جائے، ملت پر کہیں بھی کوئی آفت آئے اور وہ بے قرار و بے سکون ہوکر رہ جائے۔ یوں تو امت کا اتحاد ایک ایسا موضوع ہے جس پر شاید ہر دن سینکڑوں تقریریں ہوتی ہوں گی۔ لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ جو اسٹیج پر اتحادِ ملت کے موضوع پر خطاب کرے وہ اپنی خلوتوں میں بھی مسلکی اور جماعتی گروہ بندیوں سے ماوراء ہوکر سوچے اور گفتگو کرے۔ لیکن حضرت قاضی صاحب کے بارے میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس مسئلہ میں کوئی شخص ان کی جلوت اور خلوت کے درمیان انشاء اللہ کوئی فرق نہیں پائے گا۔ یہی درد اور یہی بے قراری ان کو شہروں شہروں قریہ قریہ اور ملک کے کوچہ کوچہ لے جاتی تھی بلکہ ملک سے باہر بھی۔

یہ مجموعہ پانچ خطبات پر مشتمل ہے۔ ان میں پہلے خطبہ میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ کس نقطۂ نظر سے ہونا چاہئے؟ محض فضائل و مناقب اور معجزات کو پڑھنے اور سر دھننے کے لئے یا اس لئے بھی کہ آپ ﷺ کی سیرت کے آئینہ میں اپنی زندگی کا جائزہ لیا جائے اور اپنی تصویر دیکھی جائے اور بحیثیت اسوہ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کیا جائے؟ نیز اسی خطبہ میں آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے کچھ ابتدائی حالات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسرا اور تیسرا خطبہ آپ ﷺ کی حیات ماقبل نبوت، مکی زندگی اور مدنی زندگی سے

متعلق ہے، ظاہر ہے کہ ان مختصر خطبات میں سیرت کو بالتفصیل پیش کرنا ممکن نہیں تھا۔ اسی لئے اہم واقعات کا انتخاب کیا گیا ہے۔ ان خطبات کی اصل اہمیت ''فقہ السیرۃ'' ہے، یعنی جن واقعات کو ہم آئے دن پڑھتے اور سنتے رہتے ہیں، ان سے ہمیں آج کے حالات میں کیا روشنی ملتی ہے، عملی زندگی میں کس طرح ان واقعات کی تطبیق ہونی چاہئے؟ اس پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے اور اس نے عوام وخواص اور ملی اور سماجی کارکنوں کے لئے اس کو بصائر وعبر کا قیمتی خزانہ بنادیا ہے۔

چوتھے خطبہ میں آپ ﷺ کی تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے اور توحید کی حقیقت اور انسانی زندگی سے اس کا ربط بتاتے ہوئے اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ وحدتِ الٰہ، وحدتِ انسانی، وحدتِ اعمال اور وحدتِ قانون کو بھی شامل ہے۔ اس خطبہ میں ''اسلام میں خواتین کا مقام'' اور ''شریعتِ اسلامی کی ابدیت ودوام'' کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسلام اور مغربی تہذیب کا موازنہ بھی کیا گیا ہے اور اس امر کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ سیرتِ محمدی ﷺ ہی آج کے مسائل اور مشکلات کا اصل حل ہے۔

پانچویں اور آخری خطبہ میں اسلامی تعلیمات کے اعتدال وتوازن، قانونِ فطرت سے ان کی ہم آہنگی، اتحاد واجتماعیت کی ضرورت اور موجودہ حالات میں امتِ محمدیہ ﷺ کے مطلوبہ کردار کی وضاحت کرتے ہوئے ان کے فرائض کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ یہی اتحاد واجتماعیت اور تنظیم صاحبِ خطبات کے زندگی بھر کی جدوجہد اور صبح وشام کی دعوت کا خلاصہ ہے۔

امید ہے کہ سیرت کے موضوع پر دیئے گئے یہ خطبات سیرت کے لئے ایسے پہلوؤں سے روشناس کرائیں گے، جن کی طرف عام طور پر توجہ نہیں دی جاتی، سنٹر آف آبجیکٹیو اسٹڈیز بنگلور، شکریہ کا مستحق ہے کہ وہ ان خطبات کے منصۂ شہود پر آنے کا ذریعہ بنا۔

یہ خطبات ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے نقل کئے گئے ہیں اور قارئین کی سہولت کے لئے ذیلی عنوانات کا اضافہ کردیا گیا ہے۔ شروع میں حضرت مولانا مفتی اشرف علی صاحب دامت

وبرکاتہم (امیر شریعت کرناٹک، جنرل سکریٹری ملی کونسل کرناٹک، مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور) کے ’’افتتاحی کلمات‘‘ ہیں، جو آپ نے سلسلہ خطبات کا آغاز کرتے ہوئے ارشاد فرمائے تھے، یہ خطبات پہلی بار آبجیکٹیو سنٹر ہی سے اشاعت پذیر ہوئے تھے۔ مگر شاید عجلت کی وجہ سے کتابت وطباعت کے اعتبار سے بعض خامیاں رہ گئی تھیں، اس ایڈیشن میں ان کوتاہیوں کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان خطبات کو قبول عام وخاص عطا فرمائے۔

واللہ ھو المستعان

خالد سیف اللہ رحمانی

(خادم حدیث وفقہ دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد)

افتتاحیہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین و علی آلہ وصحبہ اجمعین، اما بعد!

اللہ کے نام لے کر، اس کی حمد وثناء کرتے ہوئے، اس کی بارگاہ اقدس میں سجدہ شکر بجالاتے ہوئے اور سرکار دوعالم فخر بنی آدم، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے دربار عالی میں ہدیہ درودوسلام پیش کرتے ہوئے میں اپنی اس مختصری گفتگو کا آغاز کرتا ہوں!

فقیہ العصر حضرت قاضی صاحب دامت برکاتہم ،حضرات علماء،حضرات ائمہ وخطبا، عمائدین ملت، قائدین قوم، مدیران اخبارات ورسائل، ذمہ داران سنٹر فار آبجکیٹیو اسٹڈیز، بزرگان محترم،نوجوانان مکرم،خواتین اسلام!

یہ مبارک اور باوقار علمی مجلس، رسول ﷺ کی ذات عالی سے منسوب ہے اور سب جانتے ہیں اورکوئی نہیں جانتا ہوتو اسے جان لینا چاہئے کہ دنیائے انسانیت میں اس دربار سے محترم اورباعظمت کوئی دربارنہیں، یہ ایسا دربار گہربار ہے اور یہ ایسی سرکار عالی وقار ہے کہ اس کے گن گانے والے بےحساب اوراس پرسر دھننے والے بےشمار، کتنے اس کی مدح سرائی میں رطب اللسان اور کتنے اس پر گوش برآواز، ادب عالیہ کانذرانہ حسین پیش کرنے والے کتنے اورگلہائے شعر وسخن کی خوبصورت لڑیوں اورخوشبودار مالاؤں کے ساتھ حاضری دینے والے کتنے! اللہ اکبر! لاکھوں کروڑوں مجلسیں اسی سرکار کی نسبت سے سجیں،سجتی رہتی ہیں اورسجتی رہیں گی کہ یہ قطارنور لامتناہی ہے۔ہزارہا کتب خانے اسی دربار سے متعلق آباد ہوگئے ۔اور اس سلسلۃ الذہب کی

سنہری کڑیوں میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔

مختصر یہ کہ جسے بولنا آیا اس نے اپنی سعادت اسی میں سمجھی کہ وہ آپ ﷺ کی شان میں بولے اور جسے لکھنا آیا اسے اپنی خوش بختی اسی میں نظر آئی کہ وہ آپ ﷺ کے اوصاف وکمالات پر لکھے۔ خطیب ہوں کہ ادیب، نثر نگار ہوں کہ شاعر، سب اپنی صلاحیتیں آقائے دوعالم ،تاجدار مدینہ سید المرسلین، خاتم النبیین شفیع المذنبین، رحمۃ اللعالمین ﷺ کے ذکر پاک میں صرف کرنے کو حاصل زندگی سمجھتے رہے۔

کیا نام نامی اور اسم گرامی ہے آپ کا کہ بولئے تو زبان حلاوت وشیرینی محسوس کرے، سنئے تو سماعت میں رس گھلے، دیکھئے تو نگاہوں میں بصیرت آئے، لکھئے، غور کیجئے اور سوچئے تو دل ودماغ اور روح وقلب سرور ونشاط کی بے مثال اور لازوال کیفیات سے سرشار ومخمور ہوجائیں۔

واقعہ یہ ہے کہ زبانیں پاک ہوتی ہیں اسی طاہر ومطہر کا نام لے کر، قلم دل کشی ودل ربائی پاتا ہے اسی جمال جہاں آراء کی نقاشی کرکے، شعر وسخن کی معراج اسی صاحب معراج کے ''بیان رفعت نشان'' میں ہے۔ اس لئے ہر کسی کی دلی تمنا یہ ہوتی ہے کہ وہ بھی ان نصیبہ وروں کی صف میں شامل ہوجائے جنہیں اس دربار عالی وقار میں ہدیہ عقیدت ومحبت پیش کرنے کا زریں موقعہ قدرت نے عطافرمایا۔

بزرگان محترم! ممکن ہے یہ سوچا جائے کہ میں عشق ومحبت کی وادیوں میں کہاں نکل گیا۔ جب کہ آج کی دنیا علم وخرد کی دنیا ہے موجودہ دور فہم وفراست کا دور اور عصر حاضر، عصر فکر ونظر ہے، لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات عالی سے الفت ومحبت عین تقاضائے عقل وخرد ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ سے بے پناہ محبت، بے تابانہ الفت اور بے پایاں عشق کے پیچھے ناقابل تردید دلائل اور ناقابل تنسیخ براہین کی ایسی زبردست طاقت موجود ہے کہ کوئی صاحب عقل وفہم اس سے صرف نظر نہیں کرسکتا۔ ابتداء تو شاید آپ عقل وفہم سے کریں اور رسول اللہ ﷺ کی

ذات گرامی کو دلائل کی روشنی میں جانیں اور پہچانیں، لیکن اسی پر بس نہ کریں بلکہ اس سے آگے قدم بڑھا کر ماننے اور تسلیم کرنے کی منزل پر پہنچیں۔لیکن یہاں بھی نہ رکیں بلکہ آگے اور آگے چاہنے اور محبت کرنے کی خوبصورت اور آخری منزل تک پہنچنے کی ہم میں سے ہر ایک کو ضرور کوشش کرنی چاہئے۔ آپ کی شخصیت کے بارے میں جو جتنا سوچے گا، غور کرے گا اور آپ کے کارناموں پر جتنی نظر ڈالے گا یقیناً اس کے نزدیک آپ کی شخصیت محبوب ترین ہوجائے گی۔اور وہ آپ کو ٹوٹ کر چاہنے لگے گا۔

حاضرین گرامی! موجودہ معاشرہ انتشار اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے، اضطراب و بے چینی اور یاس وناامیدی آج کے خدا فراموش سماج کی دین ہے۔پوری انسانیت تباہی کے ہولناک غار کی طرف بڑھی چلی جارہی ہے۔ایسے ماحول میں ضروری اور لازمی ہے کہ اسی دربار کی طرف رجوع کیا جائے۔جہاں سارے مسائل کا حل اور ساری پریشانیوں کا مداوا موجود ہے۔

ہمیں سنٹر فار آبجکٹیو اسٹڈیز کے بلند ہمت اور عالی حوصلہ نوجوانوں کا ممنون ہونا چاہئے کہ انہوں نے اس شدید ضرورت کا احساس کیا۔اور حالات حاضرہ کو سامنے رکھتے ہوئے ایسے مفید اور خوبصورت سلسلے کا آغاز کیا۔جو انشاء اللہ تاریخ کے صفحات میں سنہرے حروف سے لکھا جائے گا۔

ہمیں خوش ہونا چاہئے کہ خطبات بنگلور کے ان تاریخ ساز جلسوں کے لئے ان نوجوانوں کی نگاہ انتخاب نے صحیح فیصلہ کرنے میں کامیابی حاصل کی اور فقیہ العصر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی دامت برکاتہم کو انہوں نے دعوت دی اور ان نوجوان کے خلوص قلب، جذب دروں، جہد متواتر اور سعی پیہم نے حضرت قاضی صاحب کو عالمی اسفار کے دوران بھی شہر بنگلور کو یاد رکھنے اور یہاں قدم رنجہ فرمانے پر آمادہ و مجبور کردیا۔

بزرگان محترم ! حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی شخصیت محتاج تعریف

وتعارف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات ستودہ صفات میں عجیب وغریب خوبیاں رکھ دی ہیں۔ آپ اندازہ کیجئے! ایک جانب فقہ اکیڈمی، خالص علمی وفقہی مباحث کا مرکز، حد درجہ سکون اور نہایت یکسوئی کا متقاضی اور دوسری طرف ملی کونسل، جسے مستقل تگ ودو اور لگاتار بھاگ دوڑ کا پھیلا ہوا میدان کہئے۔ دونوں کی سربراہی کا بار عظیم آپ نے اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔ یہ اس عظیم الشان خدمت کے سوا ہے جو امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے مرکزی دار القضاء میں قاضی القضاۃ اور چیف جسٹس کی حیثیت سے آپ انجام دیتے چلے آرہے ہیں۔ پھر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے روح رواں اور اس کی مجلس عاملہ کے رکن رکین کی حیثیت سے تحفظ شریعت کے سلسلے میں آپ کے علمی وعملی کارنامے ہیں۔ جنہیں ملت اسلامیہ کبھی فراموش نہیں کرسکے گی۔ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی واقعی اسم بامسمّی ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لئے مسلسل مصروف جہاد اور دین محمدی اور شریعت مصطفوی کے تحفظ کی خاطر ہمہ دم سرگرم عمل، علم وفن کے عمیق سمندروں کے غواص، فقہ اسلامی کے دقیق مسائل کے اداشناس، ذکاوت وذہانت کا پیکر جمیل، دانائی وخردمندی کی تصویر حسین، سراپا باریک بینی ژرف نگاہی مجسم نکتہ سنجی ورمز آشنائی، میدان خطابت کے شہسوار، خوش گفتار وخوش کردار، مختصر یہ کہ حضرت قاضی صاحب زید مجدہم اپنے خداداد اوصاف وکمالات کے باعث پوری جماعت علماء میں امتیازی حیثیت کے حامل ہیں۔ اوران سب کے باوجود سداجت وسادگی، تواضع وکسر نفسی اور خوردنوازی وہمت افزائی کی ایسی دل کش ادائیں رکھتے ہیں کہ اچھے اچھے غلط فہمی کا شکار ہوجاتے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ ''خطبات بنگلور'' کا یہ سلسلہ کامیاب ہوگا اور ہم سب حضرت قاضی صاحب کے روح پرور اور بصیرت افروز خطاب سے مستفید ومستفیض اور آپ کی شیریں بیانی وعذوبت لسانی سے محظوظ ومسحور ہوں گے، اور اپنے مضطرب قلوب واذہان کی تشفی وتسکین کا سامان کریں گے۔

میں ذمہ داران سنٹر اور اہالیان شہر بنگلور کی جانب سے حضرت قاضی صاحب کا خیر مقدم کرتا ہوں، نیز اس باوقار مجلس میں تشریف لائے ہوئے تمام حضرات کو خوش آمید کہتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں، وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

(حضرت مولانا مفتی) اشرف علی سعودی

(امیر شریعت کرناٹک، مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم سبیل الرشاد، بنگلور)

بلغ العلىٰ بكمالهِ

كشف الدجىٰ بجمالهِ

حسنت جميع خصالهِ

صلّوا عليه وآلهِ

خطبات بنگلور اوّل

(پہلا خطبہ)

سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ کیوں؟

''سیرت کا تذکرہ بحیثیت ''معجزہ'' نہیں بلکہ بحیثیت ''اسوہ'' کیا جانا چاہئے۔فکر کا بنیادی فرق ہے یاد رکھئے کہ نبی ﷺ سے معجزات کاظہور ہوا ہے، اور دیگر انبیاء کے ذریعہ بھی معجزات کاظہور ہوا ہے۔''معجزہ'' ثبوت نبوت کے لئے ظاہر کیا جاتا ہے لیکن وہ مقصد نبوت نہیں ہے،سیدنا موسیٰ اس لئے نہیں آئے تھے کہ جادوگروں کی جادوگری ختم کردیں،سیدنا عیسیٰؑ کوئی بڑے ڈاکٹر بن کر نہیں آئے تھے کہ مردوں کو زندہ کردیں اور اندھوں کو بینا کردیں وہ تو دلوں کے نابینا پن کو دور کر کے روشنی دینے آئے تھے۔چاہے سیدنا موسیٰ ہوں ،یا سیدنا عیسیٰ ،یا اور کوئی نبی ہوں،ان کی آمد کا مقصد انسانیت کو صحیح عقیدہ اور صحیح اعمال کی رہنمائی دینا ہے، نبی پوری انسانیت کے لئے نمونہ ہوتا ہے اور خاتم الانبیاء حضور اقدس ﷺ کے بارے میں قرآن نے اس بات کو صراحت کے ساتھ کہا ہے اور بار بار اس کی طرف اشارہ کیا ہے''۔

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام علی سید المرسلین وعلی الہٖ وصحبہ اجمعین اما بعد۔

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ انا ارسلنک شاھدا ومبشرا ونذیرا وداعیا إلی اللہ باذنہ وسراجا منیرا۔

حضرات وخواتین، بزرگ علماء ودانشوران قوم اور عزیز نوجوانو! بلاشبہ آپ نے خطبات سیرت کے لئے اس حقیر کا انتخاب کر کے اسے بڑی عزت بخشی ہے۔ میں اس احساس کے بوجھ تلے دبا جا رہا ہوں کہ ایک بے مایہ کو جس کے پاس نہ علم کا سرمایہ ہے نہ عمل کا، اس کے پاس زبان ہے نہ اس کے پاس قلم۔ آپ نے کتنی بڑی عزت بخش دی ہے! پھر سوچتا ہوں کہ حقیقتاً یہ عزت مجھے نہیں بخشی گئی ہے۔ اس دھوکہ میں مجھے نہیں پڑنا چاہئے، دراصل یہ عزت اس نسبت کو بخشی گئی جو جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے ہر بندہ مومن کو حاصل ہے۔ وہ نسبت کیسی ہی کمزور سہی لیکن نسبت تو ہے۔ پس آج بولنے والے کو اعزاز مل رہا ہے اور آپ سننے والوں کو جو عزت دی جا رہی ہے یہ اسی نبی ﷺ کی عزت کا صدقہ ہے۔ سلام ہو اس پر اور ہم سب قربان ہوں ان پر!! وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین (المنافقون: ۸) کوئی شک نہیں، عزت اللہ کے لئے ہے اس کے رسول کے لئے ہے اور ان پر ایمان لانے والوں کے لئے ہے، میں شکریہ کس طرح ادا کروں اپنے ان عزیز نوجوانوں کا جنہوں نے اس عظیم الشان اجتماع کا اہتمام کیا ہے۔ یا اپنے دوستوں کا جو یہاں تشریف فرما ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب مل کر اس اللہ کا شکر ادا کریں۔ جس نے ہمیں اس عمل کی توفیق عطا فرمائی۔

آج جن خطبات کا آغاز ہو رہا ہے پانچ دن چلیں گے۔ میری کوشش تو یہ ہوگی کہ

ہر خطبہ اپنی جگہ پر مستقل ہو۔لیکن سنہری زنجیر کی کڑیاں ایک دوسرے سے مربوط ہوں گی ہی، لہذا یہ سمجھنا کہ میں پورے طور پر ہر خطبہ کو الگ کر سکوں شاید ایسا ممکن نہیں ہوگا، ہر خطبہ ایک دوسرے کے ساتھ ایک مرکزی خیال کے ساتھ ضرور مربوط ہوگا۔

مطالعہ سیرت کا مقصد

آج میں چند تمہیدی باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں اور اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ ان عظیم نوجوانوں نے جو سیرت مبارکہ پر اجلاس منعقد کیا ہے جس کا سیدھا سادا مقصد مطالعہ سیرت ہے۔ اس کی کیا اہمیت ہے؟ بنیادی طور پر اس پر ضرور غور کرنا چاہئے کہ سیرت کا مطالعہ کیوں کرنا چاہئے؟ اس لئے کہ اگر پہلے دن ہی ہمارے ذہن وفکر صحیح خطوط پر سفر کرنے لگیں تو ہر دن اس کا رخ صحیح ہوگا۔ بنیادی بات یہ ضرور سوچنے کی ہے کہ مطالعہ سیرت کیوں ضروری ہے؟ اور آج کے عہد میں خاص کر اس کی کیا اہمیت ہے؟ آپ لوگ جانتے ہیں کہ محض فضائل بیان کرنا اور اپنے آپ کو خوش کرنے کی کوشش بہت مفید نہیں ہوسکتی۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ہم فضائل کو سن کر فرائض کی طرف متوجہ ہوں۔ کوئی بھی پیغام فکر کی بالیدگی تو دے دے لیکن عمل کی حرارت نہیں بخشے تو یہ پیغام ایک فلسفہ تو ہوسکتا ہے، مسائل زندگی کا حل نہیں بن سکتا، اس لئے میں اس بات کے کہنے پر مجبور ہوں کہ حضور اقدس ﷺ کی مبارک سیرت کے بیان کے ذیل میں آپ کو اس بات کی طرف متوجہ کروں کہ اس کائنات انسانی کی طرف بھیجی ہوئی وحی کے ذریعہ جو ہدایت اور رہنمائی دی گئی ہے اس ہدایت ورہنمائی کی جو آخری کڑی خاتم النبیین حضور اقدس جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ اس دنیا کو ملی ہے وہی تنہا دن کی روشنی میں ہے، علم کے تقاضوں کی روشنی میں ہے، صرف وہی معاشرہ اور دنیا بھر کے سماج کے مسائل ومشکلات کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، بلاشبہ تنہا یہی نظام زندگی، یہی ٹھوس عقیدہ، یہی سچی فکر اور یہی اصول معاش ومعاشرت اس کائنات انسانی کو صحیح منزل تک پہنچانے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

اگر کہیں کچھ "سچ" ملتا ہے، اگر ماضی کی کتابوں میں کہیں کوئی بات ملتی ہے اور وہ صحیح و درست ہے تو قرآن کہتا ہے کہ ہم تو اسی "صحیح" کی حفاظت کے لئے آئے ہیں۔ جو ملاوٹیں ہیں اس کو ختم کر کے "ابدی سچائی" کو باقی رکھنا ہی ہمارا کام ہے۔ یہ رسول اس لئے آئے ہیں کہ تمام نظام ہائے باطل، زندگی کے وہ تمام طریقے جو ناحق اور غلط ہیں، جو خالق کی مرضی کے خلاف ہیں، انہیں مٹا کر ٹھوس عقیدے پر مبنی اور دنیا و آخرت کی فلاح پر مشتمل نظام حق انسانوں کو عطا کریں۔
هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله۔ (الصّف: ۹) وہی اللہ ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق لے کر بھیجا جس کی بنیاد حق وسچائی پر ہے تاکہ سارے نظام ہائے زندگی پر اللہ کے بھیجے ہوئے اس رسول کی لائی ہوئی ہدایت کو غالب کر دیا جائے۔ یہ غلبہ قوت واقتدار کا نہیں، یہ جبر کا نہیں، یہ تلوار کا نہیں، یہ غلبہ ہے علم کا، نظر کا، فکر کا، سمجھ کا اور واقعات وتجربات کا، ہم جب یہ بات کہتے ہیں کہ یہ دین حق آیا ہی ہے سب پر غالب ہونے کے لئے تو کسی تعصب کی بناء پر ہم ایسا نہیں کہتے ہیں۔ صرف اس لئے نہیں کہتے ہیں کہ یہ دین ہمارے پاس ہے دوسروں کے پاس نہیں ہے۔ نہیں! بلکہ ہم پوری ایمان داری کے ساتھ انسانوں کی بھلائی اور بنی نوع انسان کی ہمدردی اور خیر خواہی کے لئے ایسا کہتے ہیں۔ ہم یہ بتاتے ہیں کہ تم جس راستہ پر ہو وہ منزل کی طرف لے جانے والا صحیح راستہ نہیں ہے۔ نجات کا جو تنہا راستہ ہے وہ تعلیمات محمدی ﷺ کا راستہ ہے۔

سیرت کا مطالعہ بطور اسوہ

آج کا مزاج ہے کہ سیرت نبوی بطور معجزہ پڑھا جائے جتنے کارنامے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ انجام پائے، بولنے والے اور سننے والے سمجھتے ہیں کہ یہ حضور اقدس ﷺ کے معجزے ہیں۔ مجھے عرض کرنا ہے کہ سیرت کا تذکرہ بحیثیت "معجزہ" نہیں بلکہ بحیثیت "اسوہ" کیا جانا چاہئے۔ یہ فکر کا بنیادی فرق ہے۔ یاد رکھئے کہ نبی ﷺ سے معجزات کا ظہور ہوا ہے۔ اور

دیگر انبیاء کے ذریعہ بھی معجزات کا ظہور رہا ہے۔ ''معجزہ'' ثبوت نبوت کے لئے ظاہر کیا جاتا ہے۔لیکن وہ ''مقصد نبوت'' نہیں ہے۔ سیدنا موسیٰ اس لئے نہیں آئے تھے کہ جادوگروں کی جادوگری ختم کردیں، سیدنا عیسیٰ کوئی ڈاکٹر بن کر نہیں آئے تھے کہ مردوں کو زندہ کردیں اور اندھوں کو بینا کردیں وہ تو دلوں کے نابینا پن کو دور کر کے روشنی دینے آئے تھے۔ چاہے سیدنا موسیٰ ہوں یا سیدنا عیسیٰ یا اور کوئی نبی ہوں، ان کی آمد کا مقصد انسانیت عقیدہ اور صحیح اعمال کی رہنمائی دینا ہے۔

نبی پوری انسانیت کے لئے نمونہ ہوتا ہے اور خاتم الانبیاء حضور اقدس ﷺ کے بارے میں قرآن نے اس بات کو صراحت کے ساتھ کہا ہے اور بار بار کہا ہے: "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" (الاحزاب:۲۱) اے لوگو! تمہارے لئے رسول ﷺ کی زندگی میں ''بہترین نمونہ'' ہے اور قرآن نے اس بات کو ایک جگہ اور واضح طور پر کہا ہے: "قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ" (آل عمران:۳۱) نبی کی اتباع اور پیروی اللہ کی محبوبیت کا ثبوت اور اللہ کی محبوبیت کا ذریعہ ہے پیروی اور اتباع جو آئیڈیل ہوتا ہے اس کی کی جاتی ہے۔ نبی کی ذات ایک آئیڈیل ہے، ایک نمونہ ہے۔ نبی کا ہر عمل اس لئے ہے کہ اس طرح کا عمل کرنے کی کوشش کرو۔ یہ نہیں کہ نبی کا عمل دیکھ کر خوش ہوجائیں اور سمجھیں کہ یہ تو معجزہ ہے نبی سے صادر ہوا ہے۔ ہم سے یہ کام کہاں ہونے والا ہے؟ یہ مطالعہ سیرت کے سلسلے کی بنیادی غلطی ہے۔ آقا ﷺ کا ہر عمل ہمارے اور تمہارے لئے نمونہ ہے۔ اسی لئے رسول کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا گیا، ان کے نقش قدم پر چلنے کا حکم دیا گیا اور نبی کی زندگی کو اسوہ اور قابل اقتداء بتایا گیا۔ ''فبھداھم اقتدہ'' (ان کے راستے کی تم بھی اقتداء کرنا) ان ساری چیزوں کو جب آپ دیکھیں گے تو یہ بات واضح طور پر محسوس کریں گے کہ نبی کی سیرت کو سننا اتباع وعمل کے لئے ہے نہ کہ محض تفریح قلب ونظر کے لئے۔ اس لئے اپنی نیت آج اور ابھی صحیح کرلیں کہ ہمارے سامنے مقصود اتباع جناب محمد ﷺ ہے۔ ان کی زندگی کے واقعات کو سن کر معجزہ تصور کر کے اقتداء سے

اوپر کی چیز سمجھ کر گذر جانا ہمارے لئے ہرگز کافی نہیں۔پس مطالعہ سیرت کا مقصد ایک ایسے نمونہ کی یافت ہے جو ساری انسانیت کے لئے رہبر و رہنما ہو نہ کہ محض معجزات کا ادراک۔

مطالعہ سیرت کا دوسرا رخ اور آج کا سب سے بڑا فتنہ

آج اسلام، پیغمبر اسلام اور امت مسلمہ کے خلاف ایک بڑی بین الاقوامی سازش کی جارہی ہے جس کا مقصود اسلام اور نبی ﷺ کی تصویر بگاڑنا ہے۔حقیقت یہ کہ اسلام کے معاندین نے یہ بات محسوس کرلی ہے کہ اہل ایمان کو جو محبت اپنے نبی سے ہے۔جب تک یہ محبت باقی ہے اس وقت تک اس امت کو نبی کے راستے سے منحرف نہیں کیا جاسکتا۔حقیقت یہ ہے کہ ہمارا سب سے بڑا سرمایہ ہی محبت رسول ہے اور آپ جانتے ہیں کہ یہ محبت ہمیں وراثت میں ملی ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ اکثر مواقع پر وہ محبت جو محض ورثہ میں ملی ہو۔اس کے پیچھے علم وادراک کی روشنی نہ ہو۔کبھی مغالطوں کا شکار ہوکر زائل بھی ہوجاتی ہے۔ایسے لوگ ہر وقت خطرہ میں رہتے ہیں۔محبت کے پیچھے اگر علم ودلیل نہیں ہو تو گمراہ کرنے والے امت کو نبی کی محبت سے موڑ دینے کے لئے جھوٹے پروپیگنڈے اور ذرائع ابلاغ (میڈیا) کا استعمال کر کے جھوٹ پر سچائی کا ملمع کر کے اس تقلیدی محبت کو زائل کرنے اور امت کا رشتہ اپنے رسول سے منقطع کرنے کی کوشش کرسکتے ہیں۔اور اس طرح یہ لوگ ہماری نئی نسل کے ان نوجوانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں جو نئے زمانے میں حریت فکر اور ذہنی فکری آزادی کے ساتھ مسائل پر سوچنے کے عادی ہیں، ان کے ذہن میں شک کے کانٹے چبھوئے جاتے ہیں اور بار بار چبھوئے جاتے ہیں اور اس طرح اس امت محمدیہ کی نئی نسل کو اپنے نبی سے منحرف کرنے کی کوشش منظم طریقے سے کی جارہی ہے۔یہ کوشش آزادی سے پہلے بھی اس ملک میں کی گئی تھی۔یہ کوشش انگریز پادریوں کے ذریعہ بھی کی گئی تھی، یہ کوشش شدھی سنگھٹن کی تحریک والوں کی طرف سے بھی کی گئی تھی۔

دوستو! یہ کوشش وقتی اور جذباتی کوشش نہیں بلکہ آج پوری دنیا نہایت منصوبہ بند طریقہ

پر اور بہت سوچی سمجھی سازش کے ساتھ اس جد وجہد میں لگی ہے۔آج اس کوشش کو چاہے امریکہ ہو، انگلینڈ ہو، اسرائیل ہو یا ہمارا ملک ہو بلکہ وہ ملک جو اپنے کو مسلم ملک کہتے ہیں۔ان تمام ممالک میں آج کی سب سے بڑی سازش یہی ہے۔امت کو نبی سے توڑنا۔نبی پر کیچڑ اچھالنا۔ (معاذ اللہ) اسلام کے سسٹم کی، اسلام کے قوانین کی اور شریعت محمدی ﷺ کی تفصیلات کی ایسی خراب تصویر پیش کرنا کہ لوگ متنفر ہو کر دور رہیں اور جو اندر ہیں وہ خود بھی شک میں مبتلا ہو کر باہر جانے کی کوشش کریں۔سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین، ارون شوری اور اس جیسے بدنیت لوگ لٹریچر، صحافت اور میڈیا کے ذریعہ بہت ہی منصوبہ بند طریقہ پر اسلام، مسلمان اور جناب رسول اللہ ﷺ کے خلاف پوری فنکارانہ صلاحیتوں کے ساتھ گھناؤنی سازشوں میں لگے ہوئے ہوں۔ ایسے نازک موقعہ پر جو لوگ سیرت نبوی ﷺ کے تعارف اور اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، وہ قابل مبارکباد ہیں اور یہ خطبات بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔اللہ ایسی کوششوں کو کامیاب فرمائے۔

آپ کے سامنے میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں ان شدید احساسات کا نتیجہ ہے جو دنیا میں چلنے والی تحریکات اور روزمرہ پیش آنے والے سوالات کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں، میں اس صورت حال پر اپنی تشویش اور بے چینی کا اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ آج سے پہلے اگر حضور ﷺ کی سیرت کے مطالعہ کا رواج کم تھا تو یہ بات اتنی خطرناک نہیں تھی۔لیکن آج گلی گلی کوچہ کوچہ میں بلکہ گھر گھر میں آنحضور ﷺ کی صحیح تصویر انسانوں کے ذہنوں میں اور مسلمانوں کی نئی نسلوں کے ذہنوں میں آجانی چاہئے، اس کے لئے منظم کوشش کی جانی چاہئے، میں نے ایک لفظ کہا ''علم ودانش کے میدان میں'' یہ قصداً کہا اگر کوئی ہمارے حضور ﷺ کو برا کہے، بے شک اس سے برا آدمی دنیا میں کوئی نہیں ہو سکتا۔لیکن آپ یہ جانئے کہ یہ اسی لئے کہا جا رہا ہے کہ آپ جوش محبت میں بھڑک جائیں اور جذبات میں آکر اور اشتعال میں

آ کر کچھ کرگزریں اور آسانی سے آپ کو (Terrorist) اور دہشت گرد نیز مذہبی جنونی کہہ دیا جائے۔ اسباب یہ لوگ پیدا کرتے ہیں، غصہ میں آنا آپ کا فطری عمل ہے اور جوش میں کچھ کر گزرنا بھی فطری ہے لیکن دراصل جو لوگ اس پردے کے پیچھے ہیں، ان کے اصلی مقصد کو پورا کردینا کسی ملت کے لئے دانش مندی نہیں ہے۔ دانش مند تو وہ لوگ ہیں جو پردے کے پیچھے بیٹھے ہوئے لوگوں کی سازشوں کو سمجھیں۔ اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله۔ مومن کی فراست کا تقاضا یہ ہے کہ دشمنوں کے نشانے کو سمجھے اور ان کو ان کے مقاصد میں کامیاب نہ ہونے دے۔

آج گمراہیوں کو علم کا ملمع چڑھا کر پیش کیا جارہا ہے، آج غلطیوں اور جھوٹ کو علم وادب کی خوبصورت چادر اوڑھا کر پیش کیا جارہا ہے، دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ جو بھی حملہ ہمارے آقا ﷺ پر کیا جارہا ہے، یا اسلام اور مسلمانوں کی تصویر بگاڑنے کے لئے جو بھی کوشش ہورہی ہے، ہم اس کا جواب علم ودانش کے میدان میں دیں اور ہم پوری طرح اس کے اہل ہیں۔ الحمد اللہ ہم کو اس سلسلہ میں کوئی پریشانی نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ جھوٹ کا ملمع اتر کر رہے گا۔ ہم جانتے ہیں کہ سچ کو غالب آ کر رہنا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ حق کو واضح ہو کر رہنا ہے۔ پس دوستو! اس کے لئے بنیادی ضرورت اس بات کی ہے کہ پوری ذہانت اور دانش مندی کے ساتھ سیرت کے حالات وواقعات، اسلام کے پیغام اور مسلمانوں کے صحیح کردار کا مطالعہ کیا جائے اور یہ تینوں چیزیں علیحدہ نہیں۔ مسلمان کے لئے اعلیٰ ترین کردار وہی ہے جو نبی کریم ﷺ کی سیرت ہے۔ اسلام کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے۔ قرآن وسنت کیا ہے؟ وہی جو رسول ﷺ کی سیرت ہے۔ ''رسول ﷺ کی سیرت'' یا ''اسلام'' یا ''مسلم کردار'' تینوں کے عنوان الگ ہیں۔ لیکن تینوں کی حقیقت ایک ہی ہے۔ پس جب ایک سے پردہ اٹھتا ہے تو تینوں سامنے آجاتے ہیں۔ اگر جناب رسول ﷺ کی سیرت کی جھلکیاں کسی مومن کے کردار میں نظر آئیں تو سیرت، اسلام اور مسلمان

تینوں واقعات وحقائق کی سرزمین پرنظر آئیں گے اوریاد رکھئے! کہ حقیقتیں اورسچائیاں جوسرزمین پرہوتی ہیں ان کے بارے میں انسان کومستقل طور پر غلط فہمی میں نہیں رکھا جاسکتا ہے، میڈیا کتنا ہی طاقتور رہواور ذرائع ابلاغ کتنے ہی وسیع الاثر ہوں، حقائق کا سامنا نہیں کرسکتے۔

آج سے بہت پہلے کے مکہ میں آپ چلیں۔ اللہ کا ایک بندہ "قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا" کی آواز لگاتا ہے کہ اے لوگو! اللہ کے ایک ہونے کا اقرار کرو، فلاح پاجاؤ گے!! گلی گلی میں وہ بندہ کہتا پھرتا ہے۔بازاروں میں کہتا ہے۔عکاظ میں اورذوالمجاز کے میلوں میں کہتا ہے۔ حج کے مجمع میں منی اورعرفات میں کہتا ہے، شہر کے کونے کونے میں ایک ہی آواز لگاتا ہے "قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا" (لوگو! اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرو فلاح پاجاؤ گے) وہ جھگڑا کرنے نہیں کھڑا ہوا ہے وہ تو پہاڑ کی اونچی چوٹی پر کھڑے ہوکر انا النذیر العریان کہہ کر اہلِ مکہ کو بلاکر کہتا ہے اوران کے سامنے عملی تصویر کے ذریعہ حقیقت کی تفہیم کرتا ہے۔کہتا ہے کہ لوگو! تم نیچے کھڑے ہو میں اونچی چوٹی پر کھڑا ہوں میں تم کو بھی دیکھتا ہوں۔ پہاڑ کے اس پار جو کچھ ہے اس کو بھی دیکھتا ہوں اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے دشمن کی فوج ہے جو کسی بھی وقت تم پر حملہ آور ہوسکتی ہے تو کیا تم یقین کرلو گے؟ اہلِ مکہ نے جواب دیا "ماجربنا علیک الکذب قط" (اے عبداللہ کے صاحبزادے! ہم نے تو کبھی آپ کو زندگی بھر جھوٹ بولتے ہوئے دیکھا ہی نہیں) اس لئے آپ کی بات پر یقین کریں گے۔تب وہ اللہ کا بندہ جو انہیں میں کا تھا پوری دردمندی کے ساتھ بتاتا ہے کہ لوگو! تم بڑے خطرات میں گھرے ہو۔اللہ کو چھوڑ کر سینکڑوں خداؤں کو پوج کر اور آخرت کا انکار کرکے تم نے ایک بڑی خطرناک فوج کو اپنی طرف دعوت دے دی ہے۔ وہ تم کو دکھائی نہیں پڑرہی ہے لیکن میں جہاں ہوں وہاں سے تم بھی اور وہ بھی دکھائی دے رہے ہیں۔تم بڑے خطرے میں پڑے ہوئے ہو لوگو! آؤ کہو لا الہ الا اللہ۔ اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرو تم فلاح پاجاؤ گے۔

میرے عزیز دوستو! اس وقت بھی ایک اور قوت نظر آتی ہے جو پیچھے پیچھے کہتی جاتی ہے:
یہ شخص پاگل ہے اس کی بات مت سننا، مجنون ہے، جادوگر ہے، اللہ کا وہ بندہ جن جن گلیوں میں جاتا ہے، پیچھے پیچھے اور کبھی آگے آگے اس زمانے کا جو طاقتور میڈیا ہوسکتا تھا، گھوم گھوم کر ایک ہی بات کہتا پھرتا ہے: لوگو! ہوشیار رہنا یہ لڑکا پاگل ہو چکا ہے۔ یہ مجنون ہے۔ یہ ساحر ہے۔ آپس میں تفریق پیدا کر دیتا ہے۔ لا تسمعوا لهذا القرآن والغو فيه اگر یہ قرآن پڑھے تو اس کو سننا مت بلکہ اس میں خوب شور وغوغا کرنا، ہنگامہ مچانا۔

اے لوگو! یہ تھا ''ابولہبی میڈیا'' اور آج اسی میڈیا کی ترقی یافتہ صورت ہے جو امریکہ، انگلینڈ اور ہندوستان میں نظر آتی ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے لیکن دنیا نے دیکھا کہ ابولہب کا وہ میڈیا ناکام ہوا نبی ﷺ کی لائی ہوئی سچائیوں اور حقیقتوں کے سامنے یہ میڈیا کارگر نہ ہوسکا۔ سچائی اپنا وجود رکھتی ہے۔ حقائق اپنا وجود رکھتے ہیں۔ جن کے پاس حقیقت ہوگی ان کو میڈیا سے گھبرانا نہیں چاہئے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

ابولہب کی یہ نعرہ بازیاں، جھوٹی نشر واشاعت اور جھوٹی پبلیسٹی، جناب محمد ﷺ کی خاموش مگر حقیقت پر مبنی دعوت کے مقابلہ میں ٹھہر نہ سکی۔ انتہائی درجہ معتدل، ردعمل سے بچتے ہوئے، چوٹ سہتے اور حکمت عملی کے ساتھ قدم آگے بڑھاتے ہوئے، کبھی چچا سے جھگڑے نہیں، کبھی ابولہب کی بات کا جواب تک نہیں دیا، اپنا کام کرتے رہے، سچائیاں غالب ہوکر رہتی ہیں۔

"قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا" (الاسراء:۸۱)۔

حق آگیا، باطل مٹ گیا اور بے شک باطل مٹنے کے لئے تو آیا ہی ہے۔

لوگو! کیا آنحضور ﷺ کا یہ عمل ہمارے اور تمہارے لئے سوچنے کے لئے نہیں ہے۔

آج علم ودانش کے نام پر، پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے نام پر، بڑے بڑے دماغوں کی پلاننگ کی بنیاد پر، اسلام اور رسول اسلام کی تصویر کو بگاڑنے کی جوبھی سازش کرتے رہیں، ناکامی ہی ان کا مقدر ہے۔ سچائیاں اور حقائق غالب ہوکر رہتے ہیں۔ ہمیں ہمت ہارنے اور مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ابولہب کا چراغ بجھ سکتا ہے اور مصطفیٰ ﷺ کا چراغ چمک سکتا ہے اور ''سراج منیر'' بن کر پوری کائنات کوضوفشاں کرسکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ آج بھی وہی چراغ مصطفوی روشن نہ رہے اور کائنات کو اپنی کرنوں کا اسیر نہ بنالے۔

ولادت نبوی

دوستو! اس تمہیدی گفتگو کے بعد کہ مطالعہ سیرت کا مقصود کیا ہونا چاہئے اور آج کے دور میں مطالعہ سیرت کی خصوصی اہمیت کیا اور کیوں ہے؟ اب اپنی بات کا آغاز ولادت نبوی کے ذکر سے کرتے ہیں۔

یہ ۱۴۶۹ برس پہلے کی بات ہے، جب مکہ کے شہر میں عبداللہ کی بیوہ کے گھر آمنہ بنت وہب کی گود میں وہ بچہ پیدا ہوا جس کا نام محمد بھی ہے اور احمد بھی۔ عرب کا ملک جو چاروں طرف سے کٹا ہوا ہے۔ اس ملک میں عدنان کی اولاد میں ایک صاحب قصی اور قریش کہلائے، ان کی اولاد میں بنو ہاشم کا خاندان ہے۔ انہیں میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف پیدا ہوئے۔ یہ سلسلہ نسب رکھنے والا بچہ جب وجود میں آیا ہے، کسی بادشاہ کے گھر میں نہیں اور کسی دانشور کے گھر میں نہیں، کسی بڑے فلسفی کے گھر میں نہیں، اس کا کوئی پس منظر ایسا نہیں جس پس منظر کی بنیاد پر یہ کہا جاسکے کہ وہ بڑا طالع آزما ہوگا، وہ عہدوں کا خواہش مند ہوگا، وہ شہرت کا طالب ہوگا، وہ جاہ واقتدار کا متلاشی ہوگا۔ ایسا بیک گراؤنڈ نہیں تھا اس کے پاس، وہ بہت زیادہ سوچتا تو اپنے شہر کے لوگوں کی طرح ایک تاجر ہونے کی بات سوچ سکتا تھا۔

دنیا جانتی ہے کہ جب آقا تشریف لائے تو رات بڑی اندھیری تھی، چاروں طرف سناٹا

تھا، کہیں اللہ کی وحدانیت کا نغمہ نہیں گونجتا تھا۔ ساری کائنات غیر اللہ کی پوجا سے بھری ہوئی تھی۔ انسانیت عدل وانصاف کھو چکی تھی۔ اس ملک میں جہاں وہ بچہ پیدا ہو رہا ہے، خدا کا تصور تو تھا لیکن ایک ایسا خدا جو معطل ہے (معاذ اللہ)، اس کی جگہ دوسروں نے لے لی ہے۔ یہ لات ہے، یہ منات ہے، یہ ہبل ہے، یہ عزی ہے۔ سینکڑوں کی تعداد میں پتھروں کی مورتیاں پوجی جارہی تھیں۔ ایک صاحب اسلام قبول کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ہم تو ایسا کرتے تھے کہ خوب صورت پتھر جمع کر لیتے، ان میں جو زیادہ خوب صورت لگتا اسی کو پوجنے لگتے۔ اور کبھی کچھ نہیں ملتا تو گرد اکٹھا کر دیتے اور بکری کا دودھ اس پر نچوڑ دیتے اور اس کا طواف شروع کر دیتے۔ انسانیت اس طرح ذلیل ہو چکی تھی۔ یہودیت عرصہ پہلے اپنے راستہ سے ہٹ چکی تھی۔ عیسائیت اس آخری زمانہ میں امیدوں کی آماجگاہ ہو سکتی تھی، لیکن اس میں مشرکانہ عقائد اور یونانی بت پرستی کو اس طرح گوندھ دیا گیا تھا کہ اب اس آٹے میں نمک کے برابر بھی اللہ کی وحدانیت کے عقیدہ کا، جو عیسیٰ مسیح کا سچا عقیدہ تھا، کہیں پتہ نہیں مل رہا تھا۔ خود عیسائیوں میں لایعنی کلامی جھگڑے پیدا ہو گئے اور شب وروز مناظرہ وجدل کے معرکے گرم ہوتے رہتے تھے۔ جی تو چاہتا ہے کہ ان مناظروں کو آپ کے سامنے بھی دہراؤں۔ اس لئے کہ آج ٹھیک زوال پذیر عیسائیوں کی طرح ہم بھی اس طرح کے غیر متعلق مناظروں اور بحثوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ بدقسمتی سے ہم نے قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ سے کوئی سبق نہیں لیا۔ خود ہندوستان میں جب انگریز آئے تو انہوں نے اپنے اقتدار کے لئے مسلمانوں کے درمیان ان فرقہ بندیوں کو کس طرح ابھارا، اور کس طرح مسائل کھڑے کئے جو امت کو فرقوں میں تقسیم کر دے۔ یہ ایک کھلا راز ہے۔ یہ قادیانیت کی لعنت کس طرح انہوں نے کھڑی کی۔ ختم نبوت کے عقیدے کو کس طرح انہوں نے مٹانے کی کوشش کی اور حکم جہاد کو انہوں نے کس طرح اس جھوٹے مدعی نبوت سے منسوخ کرایا۔ بے شک جب کوئی قوم غلام ہو جاتی ہے تو حاکم اور مالک ہمیشہ غلاموں کی نفسیات سے کھیلتے رہتے ہیں اور ان کو

جھگڑوں میں الجھا کر بربادی کے راستہ پر ڈالتے رہتے ہیں۔ اس لئے کہ کبھی غلام اپنی نیند سے بیدار ہوگیا اور بکھرے ہوئے غلام ایک ہوگئے تو حاکموں کو حکومت باقی نہیں رہ سکتی، بہرحال عیسائی مناظروں میں الجھے ہوئے تھے۔ ایک ایک دن میں تیس تیس ہزار لوگوں کا قتل ہورہا تھا، مذہبی اور اعتقادی اختلاف کی بنیاد پر لوگوں کو زندہ جلا دینا ایک معمولی بات تھی۔ ایران، مانی اور مزدک کے فلسفوں کے درمیان اپنی تباہی کے آخری کنارے پر پہنچ گیا تھا، ایرانیوں کی جنس پرستی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ ایک باپ اپنی بیٹی سے بیاہ کرتا اور ایک بھائی اپنی بہن سے۔مزدک نے یہ کہا کہ مال اور عورت دونوں اس طرح ہے جیسے پانی، ہوا اور چارہ، پانی ہوا اور چارہ کسی کے لئے خاص نہیں، سب کا مشترک ہے۔ اس طرح مال و دولت اور عورت بھی مشترک ہے۔ اور کسی کا الگ اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔سبھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔مانی نے کہا یہ سب شر ہے آدمی کو ختم ہوجانا بہتر ہے۔ یہ نور و ظلمت کا ٹکراؤ ہی غلط ہے اس لئے شادی کرو ہی مت۔ اور کوئی جنسی رشتہ قائم ہی نہ کرے تا کہ نسل انسانی ختم ہوجائے۔مزدک اور مانی کا یہ فلسفہ دراصل قانون قدرت سے بغاوت ہے۔اسی نے ایرانی معاشرہ کو تباہی کے راستہ پر ڈال دیا۔ یہ تو ایک پہلو تھا، سیاسی اعتبار سے بھی ان کا حال بہتر نہیں تھا اور بادشاہوں کی بادشاہت کی بقاء کے لئے بادشاہوں میں الوہیت کا جز و مان لیا گیا تھا۔ کسان اپنے کھیت چھوڑ کر پہاڑوں میں جا بسے تھے اور افسروں کے سروں پر لاکھ لاکھ روپے کی ٹوپی رہا کرتی تھی، ہمارا ملک ہندوستان علم وحکمت کا ملک رہا ہے۔ یہاں ویدوں میں تحریف ہوچکی تھی اور منوشاستر کا زمانہ آگیا تھا جو اس ملک کا بدترین زمانہ ہے۔ جہاں لاکھوں خداؤں کی پوجا کی گئی، یہاں عورت کو ذلیل کیا گیا، یہاں جنس کو ترقی دی گئی اور جنس اس طرح غالب ہوا اس ملک پر کہ ننگی عورت کی مردوں نے اور ننگے مرد کی عورتوں نے عبادت کی۔ اور آپ میں سے کون نہیں جانتا کہ سب سے بڑے معبود کے آلہ تناسل تک کی پوجا کی گئی۔

اور اس ملک کا دوسرا المیہ منوشاستر کا یہ ارشاد تھا کہ اللہ تعالی نے اس سنسار کی حکمت

کے لئے چار مخلوق بنائی۔ ایک کو اپنے منہ سے پیدا کیا، دوسرے کو سینہ سے پیدا کیا، بازوؤں سے پیدا کیا، تیسرے کو پیٹ سے اور چوتھے کو پاؤں سے۔ پہلا برہمن ہے، دوسرا چھتری ہے، تیسرا ویش ہے، اور چوتھا شودر ہے۔ پہلے کا کام مذہبی امور انجام دینا، یہ سب سے مقدس طبقہ ہے۔ لوگوں سے نذر ونیاز وصول کرنا۔ دوسرے کا کام جنگ کرنا، بادشاہت کرنا، تیسرے کا کام زراعت کرنا، تجارت کرنا، اور چوتھے کا کام ان تینوں کی خدمت کرنا، اللہ کی مخلوق کا چند ذہین انسانوں نے اس طرح بٹوارہ کیا کہ پیدائش کے ساتھ ہی عزت وذلت کی تقسیم ہوگئی۔ خادم ومخدوم کی صف بنی۔ شودر غلام ہے۔ ان کا مال اپنا مال نہیں۔ جب چاہے برہمن اس سے لے سکتا ہے۔ وہ اگر برہمن کو چھولے تو اس کی انگلیاں تراش دیئے جانے کے لائق ہیں۔ میں ان تفصیلات میں کہاں تک جاؤں، آپ سب جانتے ہیں اور اس کے کچھ آثار آج بھی نظر آتے ہیں کہ شودر اور اچھوتوں کو اللہ کی کتاب چھونے کا بھی حق نہیں، پڑھنا تو دور کی بات ہے یہ ایشور وانی سب نہیں پڑھ سکتے صرف برہمن پڑھ سکتا ہے۔ یکتبون الکتاب أیدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ (البقرہ:۷۹) کیا قرآن کی تعبیر ہے یکتبون الکتاب۔ کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اللہ کے پاس سے آئی ہے۔ بلاشبہ اللہ نے کبھی انسانوں میں اس طرح کا بٹوارہ نہیں کیا اللہ نے آدمیوں کو تقسیم کی چھری سے نہیں کاٹا۔ اللہ نے پیدائشی عزت وذلت نہیں دی۔ کل مولود یولد علی الفطرۃ اللہ نے سارے انسانوں کو مساوی بنایا۔

تفصیل تو میں آپ کو آگے بتاؤں گا، میں ابھی یہ بتا رہا ہوں کہ بو لئے کنفیوشس کا دین کہاں گیا اور بودھ جین کا مذہب کہاں گیا؟ بے شک وہ مذہب اس طرح بدلا اور یہاں کی برہمن ازم نے اسکو اس طرح ملک سے نکال دیا کہ نام ونشان تک نہیں رہا۔ آہستہ آہستہ برہمنیت اور بدھ ازم دونوں کا اس طرح گٹھ جوڑ ہوا کہ برہمن کی بت پرستی بدھشٹوں نے قبول کرلی۔ برہمنیت کے لئے کوئی دشواری نہیں تھی۔ جہاں تیس لاکھ اور چھتیس لاکھ خداؤں کو پوجتے ہو، وہاں پر ایک

بدھ کا مجسمہ بھی بنا کر پوجنا شروع کردو، بدھوں میں بھی شرک وبت پرستی آئی ۔ بلکہ خدا کا انکار آیا، شریعت اور مذہب کا انکار آیا۔ کنفیوشس کا دین چین میں اپنی صورت بگاڑ چکا تھا اور ایران میں زرتشت کا آتش کدہ بجھ چکا تھا، کہیں پر کوئی روشنی نہیں تھی، یہ دنیا تاریک اندھیرے میں چل رہی تھی ۔ ایسی حالت میں **لوگو!**

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا　　　اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا
وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی　　　عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی

یہ وہ وقت تھا جب مکہ کی وادی میں آمنہ کی گود میں عبد اللہ کے گھر میں وہ بچہ پیدا ہوا ،جس بچہ کا نام محمد رکھا گیا۔ یہ بچہ وہ تھا جس کی تمنا وآرزو ابراہیم واسماعیل نے کی تھی، ربنا وابعث فیھم رسولا منھم (البقرہ:۱۲۹) اے رب بھیجنا میری نسل میں ایک رسول ان میں کا، یتلوا علیھم جوان کے سامنے آپ کی آیات کی تلاوت کرے یعلمھم الکتاب جوان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے، جو ان کے قلوب کا تزکیہ کرے۔ یہ آرزو تھی، یہ تمنا تھی، یہ دعا تھی سیدنا ابراہیم خلیل اور سیدنا اسماعیل ذبیح کی۔ یہ وہ نبی تھا جس کی بشارت چند سو سال پہلے اللہ کے نبی نے دی تھی جس نے اپنی امت سے کہا تھا، مجھے بہت کچھ کہنا ہے۔ لیکن تم ان باتوں کو برداشت نہیں کرسکوگے ۔ اس لئے میں نہیں کہنا چاہتا ۔ میرے بعد ایک آئے گا، فاران کی چوٹی سے بولے گا، وہ تمہیں سب باتیں کھول کھول کر بتائے گا۔ یہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی آرزو اور بشارت تھی۔ مبشرا برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد (الصف:۶) خوش خبری دیتے ہیں ایک ایسے رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔ پس وہ بشارت مسیحی اور دعائے ابراہیمی ہیں جو آج آمنہ کی گود میں جنم لے رہے ہیں۔

ضرورت نبوت

میرے دوستو! اس مسئلہ کے ایک اہم پہلو کی طرف آپ کو لے جانا چاہتا ہوں۔ آخر

نبی کی ضرورت کیوں؟ ہمیں اللہ نے عقل دی، سمجھ دی، بے شک انسان فطری طور پر متمدن ہے۔ آج کی دنیا میں اس کو Social animal کہتے ہیں۔ ابن خلدون نے اس کو مدنی الطبع لکھا ہے۔یعنی کوئی آدمی اکیلا نہیں رہ سکتا۔آدمی دس لوگوں کے بیچ رہنا چاہتا ہے اور ٹھیک بھی ہے، اس کو کھانا چاہئے، اس کو پانی چاہئے، بیمار پڑے تو دوا چاہئے اور کوئی حملہ کرے تو مدافعت کا سامان چاہئے، رہنے کا گھر چاہئے، اکیلے سب کچھ کر نہیں سکتا ہے، بنا بنایا اگر گیہوں بھی مل جائے ہمیں تو اس گندم سے روٹی تیار کرنے کے لئے ضرورت ہے چکی کی کہ اس میں پیسیں۔ برتن ہو جس میں گوندھیں اور چولہا ہو جس پر پکائیں۔تو ضرورت ہے لوہار کی، بڑھئی کی بھی، اس کی بھی جو برتن ڈھال دے، اس کی بھی جو پانی فراہم کرے اور اس کی بھی جو اینٹ اور مٹی کے چولھے سے لیکر گیس کے چولھے تک بنا دے۔صنعت وحرفت کا کوئی شعبہ نہیں ہے جس سے انسان کو بے نیازی ہو۔شیر کے پاس طاقت ہے، وہ اپنے دشمن کو خود مارتا ہے اور اپنی غذا فراہم کر لیتا ہے، چھوٹے چھوٹے جانوروں کو پہلے سے دفاع کا اور اپنے بچاؤ کا سامان دے دیا گیا۔تمہارے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ ہاتھ ضرور ہے۔لیکن اس سے کتنا دفاع کروگے۔

اس لئے ہاتھ کے ساتھ عقل دی گئی ہے۔عقل کی رہنمائی میں یہ ہاتھ ہتھیار بھی تیار کرتا ہے، گولہ اور بارود بھی تیار کرتا ہے۔اپنے دشمن کا دفاع بھی سکھاتا ہے۔یہی صنعت وحرفت اور اوزار بھی بناتا ہے۔یہی ہاتھ عقل کے ساتھ مل کر سب کچھ کر جاتا ہے۔لیکن ایک ہاتھ سے نہیں بہت سارے ہاتھوں کی ضرورت ہے۔ اس لئے تم ایک ساتھ رہنا چاہتے ہو لیکن تمہاری ایک مشکل یہ بھی ہے کہ یہ گلاس تنہا تیرا کیوں میرا کیوں نہیں؟ یہ پانی مجھے ملنا چاہئے تمہیں کیوں ملنا چاہئے؟ حقوق کو نہیں سمجھتے اور حدود کو نہیں جانتے۔انسان کا سب سے بڑا پرابلم یہ ہے کہ ساتھ رہنا چاہتا ہے لیکن ساتھ نباہنا نہیں چاہتا۔میاں اور بیوی کا ایک رشتہ ہے، اولاد کا اور ماں باپ کا ایک رشتہ ہے، پڑوس اور پڑوس کا ایک رشتہ ہے۔تاجر اور صنعت کار کا ایک رشتہ ہے۔فیکٹری کے

مالک اور مزدور کا ایک رشتہ ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں ہر آدمی ایک دوسرے کا محتاج ہے اور ہر ایک کا دوسرے سے ایک رشتہ ہے لیکن کوئی اپنے حدود میں رہنا نہیں چاہتا اور کوئی دوسرے کو اس کا حق دینا نہیں چاہتا۔

یہیں سے ضرورت پڑتی ہے ایک ایسے حاکم اور مالک کی جو دانا ہے، جو بصیر ہے، جو سمیع بھی ہے اور خبیر بھی، جو صاحب عدل ہے، جو ہم سب سے بالاتر ہے، جس کی بات ہم کو ماننا پڑے۔ اس خالق و مالک پر اعتقاد اور یقین اور اس کے ذریعہ حدود و حقوق اور تمہاری ذمہ داریوں کا تعین ضروری ہے۔ ''عقل انسانی'' ہوس اور غرض سے خالی نہیں ہوتی، جب اس کو قانون بنانے بٹھاؤ گے تو آج پارلیمنٹ میں قانون پاس ہوگا، اس سے پہلے وہ اپنی جائداد کا انتظام کر لے گا کہ کل کی تحدید کا اثر ہماری جائداد پر نہ پڑے۔ کچھ نہ کچھ ایسی رعایتیں رکھنا چاہے گا کہ جس سے اس کا گھاٹا نہ ہو۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ انسان انصاف قائم نہیں کر سکتا۔ دنیا کا دوسرا بڑا مسئلہ ہے امن اور سلامتی کا، جب یہ آپ کے تنافسات اور اغراض کا ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے تو امن اور سلامتی خطرہ میں پڑتی ہے۔ ایسی صورت میں ایک مافوق البشر خالق و مالک پر ایمان ضروری ہوتا ہے۔ پھر نبی آتا ہے، نبی تمہارے اندر سے ہوتا ہے یعنی وہ ایک انسان ہی ہوتا ہے، اسی لئے قرآن مجید نے کہا : اذ بعث فیھم رسولا منھم (آل عمران: ۱۶۴) لیکن وہ اللہ کی طرف سے تعلیمات کا مجموعہ لے کر آتا ہے، نبی وہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ میری فکر نہیں ہے یہ میرا سوچا ہوا نہیں ہے۔ یہ میرے دماغ کی تخلیق نہیں ہے، میں اس کی بات کہتا ہوں جس نے ہم کو اور تم کو سب کو پیدا کیا۔ انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین: (الانعام: ۸۰) وہ کہتا ہے کہ میں اپنا کچھ لے کر نہیں آتا ہوں۔ میری زبان سے جو کچھ نکلے اسے میرا بول نہ سمجھنا، وما ینطق عن الھوی (النجم: ۳) وہ اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے نہیں بولتا۔ ان ھو الا وحی یوحی (النجم: ۴) وہ اللہ کے پاس سے آئی ہوئی وحی بیان کرتا

ہے۔پس انسان نبوت سے اور اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے پیغام سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔اس کائنات میں امن کے قیام کے لئے ،سلامتی کے لئے ،عدل کے قیام کے لئے ہر حق دار کو اس کا حق پہنچانے کے لئے ،ہر شخص کے ساتھ انصاف کے لئے ،آدمی اور آدمی کے درمیان صحیح حقوق وحدود کو قائم کرنے کے لئے اس بالا ہستی کی طرف سے آیا ہوا پیغام ضروری ہے، جو ایک سچے اور امانت دار شخص کی زبانی آئے ،جس کو نبی کہتے ہیں۔جو اپنا کچھ نہ ملائے، جو کچھ اللہ کے پاس سے آیا ہے وہی بات کہے۔

لوگو! میں نے جو کچھ ساری دنیا کے حالات کی طرف مختصر اشارہ کیا۔وہ دراصل ان ہی حدود وقیود کا ٹکراؤ تھا۔اگر برہمن نے شودر اور اچھوتوں کو ظلم کا نشانہ بنایا اور یہ ظلم مذہب کے نام پر کیا گیا، اگر ایرانیوں نے اور ایرانی بادشاہوں نے ایران کے شہریوں پر ظلم وزیادتی کی تو الوہیت ومذہب کے نام پر کیا۔یہ دھوکہ تھا، یہ خدا کی طرف سے آیا ہوا پیغام نہیں تھا۔میرے عزیز دوستو! وہ بچہ جس کی پیدائش کی میں نے خبری دی ہے آئندہ آپ کے سامنے تفصیل آئے گی کہ کس طرح اس نے عالم کو عدل سے بھر دیا اور امن وسلامتی سے معمور کردیا، حقوق انسانی کی حفاظت کی، چھوٹے بڑے کا تصور اور آدمی آدمی کا بھید بھاؤ مٹایا اور ساری انسانیت کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ مالک الملک کی بندگی اور غلامی میں داخل کیا اور سب کو وہ دیا جو اس کا حق تھا اور سب سے وہ لیا جو لینا اس کا حق تھا۔میں کوشش کروں گا کہ اگلے خطبات میں ان امور پر روشنی ڈالوں، انشاء اللہ اگرچہ یہ کام بہت مشکل ہے۔

جب جناب محمد ﷺ کی سیرت کے پیغام کی عمومیت، وسعت اور آفاقیت پر آدمی نظر ڈالتا ہے تو یقین کیجئے کہ اس وسیع وعریض اتھاہ سمندر کے سامنے کھڑا ہوا انسان حیران وششدر سوچتا رہ جاتا ہے کہ میں کیا کہوں اور کیا نہ کہوں؟ کون سا موتی چنوں اور کون سا موتی نہ چنوں۔ یہ ہیرے اور جواہرات اور موتیوں کا اتنا بڑا سمندر اور میرا دامن اتنا چھوٹا! کیا لوں اور کیا نہ لوں؟

داماں نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار　　گلچین تو از تنگی داماں گلہ وارد

پس اتنا کہہ سکتے ہیں آپ کہ ’’مشتے نمونہ از خروارے‘‘ ایک کھلیان میں لگے ہوئے ڈھیر سے کوئی ایک مٹھی یا سمندر سے ایک چڑیا کے چونچ کے برابر پانی کے چند قطرے، یہی تو ہمارا حصہ ہے، اتنا بھی مل جائے تو بہت غنیمت ہے۔ اللہ سے توفیق خیر کی دعافرمائیے۔ اللہ آنے والے دنوں کو مفید بنائے۔ میں پھر اپنی اس بات کو دہرا کر بات ختم کرتا ہوں کہ سیرت کا تعارف نظریہ وعقیدہ اور عمل وزندگی میں برتاؤ کے اعتبار سے آج کے عہد کے بڑے سے بڑے چیلنج کا جواب ہے، یاد رکھئے گا کہ سچائی غالب آکر رہتی ہے، پروپیگنڈہ مغلوب ہوجاتا ہے اور ہوا میں اڑجاتا ہے، اللہ ہمیں اور آپ کو خیر کی توفیق عطافرمائے۔آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

خطبات بنگلور اوّل

(دوسرا خطبہ)

حیات نبوی ولادت تا ہجرت حبش

’’وہ جو بڑا ہر دلعزیز تھا، جو بڑا محبوب تھا، جو بڑا پیارا تھا،شہر میں جس کے گن گائے جاتے تھے اب وہی لوگوں کی مخالفت اورعداوت کا مرکز بن گیا۔ یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ میں خصوصیت سے علماء ارباب حل وعقد اور ذمہ داروں سے کہتا ہوں کہ آپ صالح اور نیکوکار بن کر رہئے۔ واللہ آپ سے کوئی نہیں جھگڑے گا،کوئی آپ کو پریشان نہیں کرے گا،آپ کے بارے میں یہ تاثر ہے کہ بڑا نیک ہے،بہت اچھا آدمی ہے،ہر وقت عبادت میں مشغول رہتا ہے،بہت پیارا آدمی ہے،لیکن جب بھی آپ جہد وعمل کے میدان میں آئیں گے،حق وصداقت کی آواز اٹھائیں گےاور داعی بن کر زندہ رہنا چاہیں گے، وہیں آپ کواپنی ہر دلعزیزی اورمحبوبیت کو پہلے اپنے ہاتھوں سےقربان کردینا ہوگا۔پھرتو آپ متنازع فیہ بنیں گے،تنازعہ ہوگا، لوگ آپ کی مخالفت کریں گے،آپ کوتکلیف پہنچانا چاہیں گے،پس اگرتم چاہتے ہوکہ اس وادی میں آؤ جوابتلاء، وآزمائش کی وادی ہے، جوجد وجہد اور حرکت وعمل کی وادی ہے،حق اور سچائی کی دعوت کامیدان ہے،توتم کو پہلے سوچ لینا چاہئے کہ:’’شرط اول قدم آنست کہ مجنون باشی‘‘اور کسی نے کیا خوب کہا ہے:

’’جس کو ہو جان ودل عزیز میری گلی میں آئے کیوں؟‘‘

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

برادرانِ اسلام اور محترم خواتین! کل کے خطبہ میں چند باتیں آپ سے کہی گئی تھیں، مجھے قوی امید ہے کہ آپ ان چند باتوں کو ضرور یاد رکھیں گے، یہ کہ سنت کا مطالعہ کیوں کریں؟ سیرت کا مطالعہ کس حیثیت سے کریں؟ نبی کی ضرورت کیا ہے؟ اور آج کے اس دور میں جو چیلنج در پیش ہے اور آقا ﷺ کی ذات مبارک، اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں جو اعتراضات کئے جاتے ہیں، ان کا مقابلہ جذبات کے بجائے علم کے ہتھیاروں سے کریں، نیز کل کے خطبہ میں ہم آنحضور ﷺ کی ولادت باسعادت کے ذکر تک پہنچے تھے۔ اور یہ بتایا تھا کہ حضور ﷺ کی آمد کا پس منظر کیا تھا؟ اور دنیا کے حالات کیا تھے؟ جب سیدہ آمنہ کی گود میں وہ یتیم یا دریتیم پیدا ہوا۔

اب اگلی منزل ہے! اللہ اسے بھی آسان فرمائے، یہ بچہ جس کا نام محمد ﷺ رکھا گیا اور دوسرا نام احمد ﷺ بھی ہے، احمد وہ ہے جو ہمہ تن اللہ کی حمد وثنا میں لگا رہے جو جتنا اللہ کی حمد وتعریف میں لگا رہے گا۔ اتنا ہی وہ خود قابلِ مدح اور قابلِ تعریف ہو جائے گا۔ اسی نسبت سے آپ ''محمد'' ﷺ ہیں، ہمارے آقا احمد بھی تھے۔ زندگی کا ہر گوشہ اللہ کی حمد سے بھرا ہوا ہے۔ سوتے تو اللہ کی حمد کرتے ہوئے، جاگتے تو الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا (اللہ کی حمد ہے، جس نے ہم کو موت کے بعد زندہ کر دیا) کہتے، چلتے تو اللہ کی حمد، اٹھتے تو اللہ کی حمد، بولتے تو اللہ کی حمد، یہاں تک کہ بیت الخلاء جانے کے آداب میں بھی اللہ کی حمد، واپس آئے تو ''الحمد للہ الذی اذھب عنی الاذی وعافانی'' (حمد ہے اس اللہ کی جس نے میرے اندر سے تکلیف دہ چیز کو باہر کر دیا اور مجھے ہر طرح کی بیماری اور تکلیف سے عافیت بخش دی) فرماتے۔ غرض پوری

زندگی حضور ﷺ کی حمد ہی حمد ہے۔حامد کہتے ہیں حمد کرنے والے کو اور احمد کہتے ہیں سب سے زیادہ حمد کرنے والے کو،تو آپ سب سے زیادہ اللہ کی حمد کرنے والے تھے اور جو جتنی زیادہ اللہ کی حمد کرے گا اللہ کی طرف سے وہ اتنا ہی زیادہ قابل تعریف قرار دیا جائے گا۔اور جو بہت زیادہ قابل تعریف ہو اسی کو عربی زبان میں "محمد" کہتے ہیں۔پس حضور ﷺ "محمد" تھے اس نام کا ایک عجیب وغریب لطیفہ ہے۔یعنی اگر کوئی شخص حضور کا نام لے کر ان کی برائی بیان کرنا چاہے تو پہلے اس کو ان کی تعریف کرنی پڑے گی کہ وہ محمد (قابل تعریف) ہیں۔اسی لئے عرب شاعروں نے حضور کی مذمت کرنا چاہی تو وہ بہت پریشان ہوئے۔نام لوں تو حمد ہوجاتی ہے،برائی کرتا ہوں تو اس چیز کی برائی کرتا ہوں جو بہت قابل تعریف ہے۔اس مشکل کے حل کے لئے انہوں نے یہ کیا کہ حضور کا نام لے کر تو ان کی برائی کرنا ان کے لئے ممکن نہیں تھا۔تو محمد کو بدل کر انہوں نے "مذمم" (قابل مذمت) کہا۔جو بہت قابل مذمت ہو وہ مذمم اور جو بہت قابل تعریف ہو وہ محمد۔ حضور ﷺ کو جب یہ اشعار سنائے گئے تو حضور نے فرمایا کہ اللہ نے ان کو میرے نام کے ساتھ میری برائی سے عاجز کر دیا۔ابولہب کی بیوی "حمالة الحطب" (جو خود شاعرہ بھی تھی) جب حضور کی مذمت کرنے پر اتری تو اس نے کہا۔مذمما عصيناه امره ابيناه وہ مذمم ہے (معاذ اللہ) ان کی نافرمانی کی ہم نے،اس کے حکم کا انکار کیا ہم نے،اس کے دین سے نفرت کی ہم نے ۔لیکن جناب محمد رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ کوئی محمد کے نام کے ساتھ میری برائی نہیں کرسکتا،انہوں نے "مذمم" کی برائی کی ہے "محمد" کی برائی نہیں کی ہے۔صلی اللہ علی سیدنا محمد اس واقعہ سے آپ کو اس بات کی طرف بھی متوجہ ہونا چاہئے کہ آقا کے صبر وحلم کی کیا انتہا تھی کہ آپ ﷺ نے گالیوں کو کس طرح مسکراہٹ اور حکمت کے ساتھ تعریف میں بدل ڈالا۔بہرحال حضور کا نام محمد رکھا گیا اور آپ نے محمد کے نام کی لذت بھی سن لی۔صحیح بات یہی ہے کہ مشک وگلاب سے بھی ہزار بار منہ دھولیں۔جب بھی ان کا نام زبان سے لینا بے ادبی

محسوس ہوتی ہے۔

ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب   ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست

رضاعت

حضرت محمد ﷺ کو پہلا دودھ حضرت سیدہ آمنہ نے پلایا۔ پھر ثوبیہ نامی باندی نے جو ابولہب کی باندی تھی اس سے دودھ پلوایا گیا اور پھر حکم ہوا کہ اب آپ بھی قبیلہ کے اور لوگوں کی طرح بنوسعد میں جایئے۔ بنوسعد کی محترم خاتون حضرت حلیمہ سعدیہ کو کوئی نہیں ملا، آنے والی خواتین میں سے کسی نے بھی اس یتیم کو قبول نہیں کیا کہ یتیم بچہ کو لے جا کر کیا کریں گے، نہ انعام ملے گا اور نہ بخشش۔ وہ جانتے نہیں تھے کہ کتنا بڑا انعام ملنے والا ہے۔ ایک وقت آیا کہ محض اس رشتہ کی بنیاد پر کہ بنوسعد میں حضور نے دودھ پیا تھا۔ پورے بنوسعد کا قبیلہ آزاد کر دیا گیا اور بلا کسی جرمانہ کے سب کو رہائی ملی۔ اتنا بڑا قومی انعام انہیں ملنے والا تھا، وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ بنوسعد کی حلیمہ سعدیہ کی قسمت میں تھا۔ حضور تو مبارک تھے از اول تا آخر، جدھر جاتے برکت آتی۔ آپ نے سنا ہوگا کہ اونٹنی کے سوکھے ہوئے تھنوں میں دودھ بھر آیا، حلیمہ کے گھر کی حالت بدل گئی اور حضور کے معجزات شروع سے نظر آنے لگے مجھے تو آپ کو بہت دور لے جانا ہے، واقعات کی تفصیل میں نہیں، چند چھوٹے چھوٹے واقعات جن کی خاص اہمیت ہے، کی طرف بس اشارہ کر کے آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔

بچپن

آپ جب ۶ برس کے ہوئے، والدہ گذر جاتی ہیں۔ وہ لڑکا جو باپ سے محروم تھا ہی، اب اس کے سر سے ماں کا سایہ بھی اٹھ جاتا ہے اور آٹھ برس کی عمر میں دادا عبدالمطلب بھی گزر جاتے ہیں، اس کے بعد چچا ابو طالب کی نوبت آتی ہے۔ حضور اقدس ﷺ ایسے وقت ابو طالب کی کفالت میں جاتے ہیں جب کہ ابو طالب کی معاشی حالت خراب ہو چکی تھی۔ یہ بچہ

بکریاں چراتا ہے۔حضور ﷺ سے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ کہا ہاں! اور ہر نبی نے چرائی ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ بکریوں کو چرانا ذرا مشکل کام ہے۔ اونٹ، بیل، گھوڑے کو ڈنڈے سے مار سکتے ہو، بکریوں کو اس طرح مار نہیں سکتے۔حضور کو انسانوں کی چرواہی کرنی تھی۔ جہاں ۲۴ گھنٹہ نگرانی بھی ہو اور جہاں نرمی، رفق اور لینت بھی ضروری تھی، بکریوں کا چرواہا زیادہ جانتا ہے کہ کس نرمی اور حکمت اور محبت کے ساتھ اسے پالا اور چرایا جائے۔انسانوں کا چرواہا اس سے زیادہ اہمیت کے ساتھ نرمی، رفق اور حکمت کے ساتھ انسانوں کی نگرانی کی ذمہ داری پوری کرتا ہے،حضور ﷺ کو اس کا تجربہ تھا کہ بکریوں کی کیسے حفاظت کی جائے۔اس لئے ہمارے آقا نے فرمایا کہ لوگو! جب بکریوں کے ریوڑ پر بھیڑیا حملہ آور ہوتا ہے تو کون سی بکریاں اٹھالے جاتا ہے۔ فرمایا بیچ جھنڈ اور ریوڑ کے درمیان میں جو بکریاں ہوتی ہیں وہ نہیں لے جاتا۔ جو کنارے ہوجائیں یا پیچھے رہ جائیں، جو اس جھنڈ اور ریوڑ کو چھوڑ دیں وہی بھیڑیوں کا نشانہ بنتی ہیں۔امت کو بھی شیطانی بھیڑیوں کا خطرہ ہوگا، تو جو امت اور جماعت کے اجتماعی وجود سے کنارے ہوجائے گا، پیچھے رہ جائے گا وہی شیطانی بھیڑیوں کا شکار ہوگا۔'' ﷺ''

ضمنی طور پر میں آپ کو یہ بھی کہتا چلوں کہ جماعت کو کبھی ٹوٹنے مت دو اور مسلمانوں کی اجتماعی قوت سے کبھی علیحدہ مت ہونا ورنہ خطرہ ہے اس کا کہ تم کو بھی بھیڑیا اٹھالے جائے، پس آنحضور ﷺ نے بکریاں چرائیں، اونٹ کے ریوڑ بھی چرائے اور حضور اقدس ﷺ کو جو روٹی مزدوری کے طور پر ملتی، اس کو خود بھی کھاتے اور حضرت ابو طالب کو بھی کھلاتے جو حضور کے اصل کفیل تھے۔ یہ میں نے اس لئے عرض کیا کہ ہمارے آقا کی غربت، بے سہارگی اور یتیمی انتہاء درجہ کو پہنچی ہوئی تھی۔اس کو ذہن میں رکھئے گا اس کی بنیاد پر ایک بات آگے عرض کروں گا، چنانچہ رضاعت کی مدت ختم ہوئی، چھ سال میں ماں بھی چلی گئیں، ۸ سال کے بعد دادا بھی چلے گئے،

اب آپ چچا کے ساتھ تھے، لیکن یہ بچہ عجیب وغریب مبارک بچہ ہے، بچپن سے ہی اس سے ہوش مندی کے آثار نمایاں تھے اور بچپن سے ہی اس کی کچھ خاص حیثیت سب کو محسوس ہوتی تھی۔ چنانچہ پورا مکہ قحط اور خشک سالی کا شکار ہوا۔ سارا گردوپیش جل رہا تھا۔ پانی کا ایک قطرہ نہیں۔ پریشان حال لوگ ابو طالب کے پاس پہنچتے ہیں۔ بارش نہیں ہے دعا کیجئے، وہ قوم جو مورتیوں سے دعائیں مانگتی تھیں لیکن جب بارش مانگنے کا وقت آتا ہے تو اللہ سے مانگتی ہے۔ ابو طالب حضور اقدس ﷺ کو جو چھوٹے سے بچے تھے، لے کر جاتے ہیں اور کعبہ کی دیوار سے پشت مبارک کو لگا دیتے ہیں، اور اس کے بعد اللہ سے اس بچہ کو سامنے رکھ کر دعا مانگتے ہیں، کہتے ہیں کہ کہیں پر بادل کا ایک دھبہ بھی نہیں تھا، لیکن دیکھتے دیکھتے بادل برسا اور پورا مکہ جل تھل ہو گیا۔ ابو طالب نے حضور کی شان میں جو شعر کہے ہیں اس کا ایک مشہور شعر یہ ہے:

وابیض یستسقی الغمام بوجهه

ثمال الیتامی عصمة للارامل

وہ گورا چٹا بچہ جس کے چہرے کی برکت سے اللہ سے پانی مانگا جاتا ہے، کیسا ہے وہ بچہ؟ یتیموں کا ملجا اور بھوکوں اور بے سہاروں کے لئے ان کی حفاظت کا ذریعہ۔ لگتا ہے حالی نے اسی شعر کو پڑھ کر کہا ہے:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا — مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا — وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ — یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ
خطا کار سے درگزر کرنے والا — بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا

شاید حالی نے ابو طالب کے شعر سے استفادہ کیا ہے۔ بہر حال یہ وہ بچہ ہے جو بچپن ہی سے عجیب سا لگتا ہے، قبل از نبوت کے دو تین واقعات میں آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں،

ان کا انتخاب میں نے اس لئے کیا ہے کہ آج کے دور میں ہمیں اور آپ کو ان باتوں کے سمجھنے کی سخت ضرورت ہے!

انجمن حلف الفضول کا قیام

جب یہ نوجوان رعنا بیس سال کی عمر کو پہنچا تو ایک واقعہ پیش آیا۔ ایک زبیدی (بنو زبید کے قبیلہ کا ایک فرد) مکہ آیا، کچھ کاروباری معاملہ عاص بن وائل سے کیا، عاص نے وعدہ خلافی کی، اس کا واجب پیسہ نہیں دیا، وہ پریشان مکہ میں ہر دروازہ پر گھومتا کہ کون ہے جو میرا حق مجھے دلا دے، کوئی ہے جو مجھے انصاف دلا دے؟ ہمت نہیں پڑ رہی تھی کسی کی، یہ بظاہر بہت چھوٹا سا واقعہ ہے جسے عام طور پر سیرتوں کو بیان کرنے والے بیان نہیں کرتے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ حضور اقدس ﷺ کے سیرت وکردار کو اور مستقبل میں ان سے لئے جانے والے کام کو سمجھنے کے لئے یہ واقعہ عظیم الشان علامت ہے۔ اس زبیدی کی فریاد پر زبیر بن عبد المطلب آگے بڑھتے ہیں اور ان کے ساتھ چار پانچ چھ نوجوان اور اکٹھا ہوتے ہیں۔ اور ایک معاہدہ کرتے ہیں، غور سے سنو اور خاص کر آج کے نوجوان اس کو سمجھیں کہ نوجوانوں کی یہ ٹیم جس میں محمد بن عبد اللہ (ﷺ) بھی شریک ہیں۔ کس بات پر معاہدہ کرتے ہیں۔ وہ پانچ چھ نوجوان ایک صاحب کے گھر میں جمع ہوکر اس بات کا عہد کرتے ہیں۔ لیکونن یدا واحدۃ علی کل ظالم حتی یوّدی حقہ۔ ہم سب مل کر ایک ہاتھ اور ایک قوت بن کر اس شہر میں رہیں گے، ہر اس ظالم کے خلاف جو کسی کا حق مار دے۔ جب تک وہ حق ادا نہیں کر دے اس وقت تک ہم اس کے خلاف ایک متحدہ قوت بن کر رہیں گے، یہ ہے "حلف الفضول" اللہ کی طرف سے نبی بنائے جانے کے بعد بھی آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اگر آج بھی کوئی وہ معاہدہ کرنا چاہے تو میں سب سے آگے بڑھ کر اس سے معاہدہ کروں (ظلم کے خلاف ایک آواز ہونا ظلم کے خلاف ایک قوت بننا) ان لوگوں نے جا کر عاص بن وائل سے اس زبیدی کا حق تو دلا ہی دیا۔

یہ ’’فضول کا معاہدہ‘‘ یہ اگریمنٹ چند ایسے نوجوانوں کا معاہدہ تھا جو سماج کے بہت ہی با اثر لوگ نہیں تھے، جو شخص ظلم کے ذریعہ باہر سے آنے والے کا حق چھین رہا تھا وہ اپنے عہد کا اور شہر کا بہت ہی با اثر اور طاقتور شخص تھا۔ لیکن حق وانصاف، طاقت والے کی طاقت، اصحاب اقتدار کے اقتدار اور قوت والوں کی قوت کے سامنے نہیں جھکتا، ظالم کو انصاف کے سامنے جھکانے کے لئے اس نوجوان محمد (ﷺ) نے مکہ میں وہ معاہدہ کیا، ابھی تک نبوت نہیں ملی۔ لیکن بنیاد پڑ گئی تھی کہ یہ نبوت ظالم کے ظلم کو ختم کرے گی اور مظلوموں کو حق دلائے گی، انصاف کو قائم کرنے والا یہ نوجوان جو آج یہ معاہدہ کر رہا ہے کل کو اس کے ذریعہ پوری دنیا میں انصاف قائم ہونے والا ہے۔ نبوت سے پہلے کا مکی زندگی کا یہ واقعہ بے حد اہم تھا، اسی لئے ہمارے آقا حضور اقدس ﷺ اس معاہدہ کو بار بار یاد فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دار بنی جدعان میں ہم نے جو معاہدہ کیا تھا وہ معاہدہ آج بھی اگر کوئی کرنا چاہے تو میں اس کے لئے تیار ہوں، اور اس معاہدہ کا حوالہ بعد کو بھی دیا گیا۔ سیدنا حسین بن علیؓ سے ایک صاحب کا کچھ اختلاف ہوگیا۔ کسی شئی کے لینے دینے پر سیدنا حسینؓ کھڑے ہوگئے کہ اگر انہوں نے حق ادا نہ کیا تو میں عہد فضول کرنے کو تیار ہوں، میں فضیلت والا وہ عہد زندہ کروں گا، یہ خبر عبداللہ بن زبیرؓ کو پہنچی وہ بھی اس پر آمادہ ہوگئے، دوسروں کو پہنچی وہ بھی اس پر آمادہ ہوئے۔ اس طرح صحابہ کی سوسائٹی میں یہ معاہدہ بڑی اہمیت اختیار کر گیا تھا، میں سمجھتا ہوں کہ بحیثیت مسلمان خصوصیت کے ساتھ ہمارے لئے کسی کو نقصان پہنچانے کا معاہدہ کرنا تو جائز نہیں ہے، لیکن انصاف قائم کرنے اور ظالم سے مظلوم کو حق دلانے کے لئے معاہدہ کرنا مستحسن ہے، چاہے اس معاہدہ کے شرکاء مسلمان ہوں یا غیر مسلم، یہ مزاج اگر بن جائے کہ مسلم ہو یا غیر مسلم، میرا بھائی ہو یا میرا کوئی رشتہ دار، سماج کا بڑا ہو یا چھوٹا، اگر وہ ظالم ہے تو اس کا ساتھ نہیں دیں گے۔ ہم ایک ایسا سماج بنائیں گے جس میں ظالم کے خلاف اور مظلوم کی حمایت میں سارے لوگ کھڑے ہوں گے۔ یہ نہیں ہوگا کہ کوئی شخص اپنی بندوق کے بل پر،

کوئی شخص اپنے ریوالور کے بل پر، کوئی شخص غنڈہ گردی کے بل پر، سیاسی اثر ورسوخ کے بل پر ،سماج میں حق کو مٹائے، انصاف کو مٹائے اور ظلم کو فروغ دے، مومن جو امتی ہے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا وہ اس کے سامنے سر نہیں جھکا سکتا، یہ حضور ﷺ کی زندگی کا ایک بہت ہی اہم ترین واقعہ ہے۔

تعمیر کعبہ اور حجر اسود کی تنصیب

دوستو! اس نوجوان پر لوگوں کو اتنا اعتماد تھا کہ جب کعبہ کی تعمیر کا مسئلہ آیا حلال کمائی سے اہلِ مکہ نے کعبہ بنایا، حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا مسئلہ آیا، اس پر اختلاف پیدا ہوا اور قتل وخون کا خطرہ پیدا ہوا، تو جس نوجوان کا انتخاب ثالثی کے لئے ہوا ان کا نام تھا "محمد بن عبد اللہ" (صلی اللہ علی سیدنا محمد) اور حضور اقدس ﷺ نے کس دانش مندی کے ساتھ چادر بچھا کر پتھر کو اپنے مبارک ہاتھوں سے اس پر رکھ کر سارے قبائل کو جوڑ کر جو آپس میں قتل وخون کرنے کو تیار تھے فرمایا کہ اس چادر کو پکڑو اور اٹھاؤ۔ پھر ان سب نے مل کر اٹھایا پھر آپ ﷺ نے اس حجر اسود کو اٹھا کر دیوار کعبہ سے لگا دیا۔ یہ نوجوان وہی محمد ہیں کہ جب تشریف لاتے ہیں تو سارے قبیلوں کے سردار چیخ پڑتے ہیں کون آیا "الصادق الامین" آیا۔ حضور کا نام الصادق الامین پڑ گیا تھا۔ غرض نبوت سے پہلے بھی اہلِ عرب کی نگاہ میں آپ ﷺ سب سے زیادہ صالح، لائق، سچا، ایمان دار، امانت دار، ہر دلعزیز اور محبوب نوجوان تھے، جو اپنے کردار، اپنی صداقت، اپنی امانت اور اپنی قومی خدمت کے اعتبار سے بے مثال تھے۔

ازدواجی زندگی

حضرت خدیجۃ الکبریٰ عرب کی بڑی باوقار خاتون تھیں، تاجر تھیں، غیر ملکوں سے ان کا کاروبار تھا، حضور ﷺ ان کے غلام میسرہ کے ساتھ ان کا مال تجارت لے کر گئے، آپ کی سچائی اور دیانت کے تجربہ کے بعد حضرت خدیجہؓ کی طرف سے نکاح کی پیش کش آئی، حضرت ابو طالب

حضور ﷺ کے چچا، حسب قاعدہ گئے، پیغام دیا تو رشتہ طے ہوا۔ خطبہ نکاح پڑھا گیا جو اپنی جگہ خود تاریخی اہمیت کا حامل ہے اور اس طرح خدیجۃ الکبریٰ کا نکاح جناب رسول اللہ ﷺ سے ہوا، حضور ﷺ کی عمر ۲۵ سال اور خدیجۃ الکبریٰ کی عمر ۳۵ اور ۴۰ کے درمیان، پہلا نکاح ہے جناب رسول اللہ ﷺ کا۔ اس طرح جناب رسول اللہ ﷺ ازدواجی رشتہ میں جڑے اور ایک لڑکے سیدنا ابراہیم کو چھوڑ کر باقی سب ہی اولاد حضرت خدیجہؓ کے بطن مبارک سے پیدا ہوئیں۔

وحی کا آغاز

آہستہ آہستہ حضور ﷺ کو دنیا کے ان ہنگاموں میں ایک گھبراہٹ سی محسوس ہونے لگی۔ آپ ﷺ نے کبھی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ اللہ نے پاک اس سے رکھا تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ حق کی تلاش میں سرگرداں ہو گئے۔ سچائی کی کھوج کا جذبہ آپ پر غالب ہو گیا، کہاں ہے وہ حق؟ کون ہے وہ معبود؟ کس کے سامنے سر جھکاؤں؟ اللہ نے اندر سے ایک تڑپ پیدا کی۔ یہ اللہ ہی کی طرف سے تھا، کیوں کہ نبیوں کی پرورش اللہ کی خاص نگرانی میں ہوتی ہے۔

اب خدا کی تلاش اور جستجو نے آپ ﷺ کو بے قرار کر رکھا ہے، یہاں تک بات بڑھی کہ شہر چھوڑ کر شہر کے پاس شہر پر سایہ فگن جبل نور کی چوٹی پر غار حرا میں جا کر رہنے لگے۔ کئی کئی دنوں تک سیدہ خدیجۃ الکبریٰ توشہ کھانا اور پانی دے دیتی تھیں، وہیں کھاتے پیتے رہتے اور اپنے رب کے ساتھ مشغول رہتے۔ اب مصیبتوں کا وقت آنے والا تھا۔ وہ محبوب و ہر دلعزیز قوم کا نوجوان اب لوگوں کی نگاہوں کو چبھنے والا کانٹا بننے والا تھا۔ گویا اس کے لئے آپ ﷺ کو تیار کیا جا رہا تھا کہ تعلق مع المخلوق پر تعلق مع الخالق غالب آجائے۔ چنانچہ ایک دن ایسا آیا کہ آپ ﷺ غار حرا میں تھے۔ ایک فرشتہ آیا: اس نے کہا: اقرا (پڑھئے) آپ نے کہا: ما انا بقاری (میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں) کلیجہ سے لگا کر بھینچا، ایک بار، دو بار، تین بار، پھر زبان پر وہ جاری ہو گیا جو فرشتہ پڑھتا گیا۔ اقرا باسم ربک الذی خلق۔ خلق الانسان من علق۔

اقرا وربک الاکرم۔ الذی علم بالقلم۔ علم الانسان مالم یعلم۔ **ناموس الٰہی کا نزول** ہر نبی پر ہوا۔حضور ﷺ وحی کے اس پہلے تجربہ سے گھبرا گئے، پریشان ہو گئے۔ ہمارے استاذ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فرمایا کرتے تھے کہ توجہ کی بہت ساری قسمیں ہیں۔کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی عطر لگائے بیٹھا ہے۔ وہاں جائیے تو آپ بھی خوشبو محسوس کر لیتے ہیں۔اگر وہاں سے ہٹو تو خوشبو ختم، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلا لیتا ہے۔ وہ روشنی منتقل ہوتی ہے لیکن بجھ جانے کا خطرہ رہتا ہے۔کبھی کسی چشمہ سے نالیاں کھود دی جاتی ہیں اور نالیوں سے پانی بہتا رہتا ہے، بہت دیر تک اور بہت دور تک ۔لیکن کبھی اگر اس نالی میں کوڑا مٹی گر جائے تو سرچشمے سے اس کا راستہ کٹ جاتا ہے اور پھر پانی نہیں آتا، اسی طرح توجہ کے مختلف درجات ہیں، اسی طرح ایک توجہ اتحادی ہوتی ہے۔جس میں توجہ دینے والے کی پوری کیفیت منتقل ہوجاتی ہے ۔فرماتے ہیں کہ جبرئیل امین کا حضور اقدس ﷺ کو کلیجے سے لگا کر بھینچنا یہ توجہ اتحادی ہی ہے کہ تمام صلاحیتیں اور کیفیات حضور ﷺ کے سینہ مبارک میں منتقل ہو گئیں۔

پہلی وحی کی معنویت

بہر حال دوستو! اب یہاں پر رک کر تھوڑی دیر وحی کا جائزہ لے لیں''اقرا باسم ربک'' (العلق:۱) اِقْرَا کا معنی پڑھو،لیکن عجیب بات ہے کہ اس آیت میں یہ نہیں بتایا گیا کہ کیا پڑھو؟ جس کو ہم اپنی اصطلاح میں کہتے ہیں کہ ''مفعول بہٖ''مذکور نہیں ہے۔جیسے سورہ والضحیٰ میں حضور ﷺ کے بارے میں کہا گیا کہ آپ کا رب آپ کو دے گا اور آپ اس سے خوش ہو جائیں گے لیکن کیا دے گا؟ اور اللہ کیا کیا عطا فرمائے گا؟ اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔معلوم نہیں اس میں کیا کیا رموز چھپے ہوئے ہیں؟ یہ پہلی وحی ہے، یہ واضح اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ یہ نبی جس عہد میں آیا ہے وہ عہد علم کا ہے، تحقیق و اکتشاف کا ہے یہ نبی علم کا نبی ہے، یہ نبی معرفت کا نبی ہے، یہ اس زمانے کو چیلنج کرنے آیا ہے۔یا اس زمانے کا چیلنج قبول کرنے والا ہے، جو پچھلے تمام

زمانوں سے علم کے میدان میں آگے ہوگا۔ اس کی نبوت کا آغاز پڑھنے سے ہورہا ہے، اس لئے علم کی تاثیر اس کے پورے عہد نبوت میں یعنی قیامت تک باقی رہے گی۔

دوستو! قراءت کا مفعول بہ کیا ہے؟ اس کو اللہ نے کھول کر نہیں بیان کیا، اللہ تعالیٰ نے اس عموم کے ذریعہ یہ بات ہم کو سمجھادی کہ ہر وہ کچھ پڑھو جو نفع دینے والا ہو۔ اسی لئے ہمارے آقا (ﷺ) کی دعا ہے۔ اللھم انی اعوذ بک من علم لاینفع (اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے) اور یہ بھی پڑھایا گیا: اللھم انی اسئلک علما نافعا (اے اللہ میں تجھ سے نفع بخش علم مانگتا ہوں) پس اس طرف اشارہ کہ وہ سب کچھ پڑھو جو تم کو نفع دینے والا ہو، خواہ وہ علم کی کوئی بھی قسم ہو، اس سے علوم وفنون کے بارے میں اسلام کی فراخ دلی اور وسیع النظری معلوم ہوتی ہے، اسلام کسی بھی علم نافع کا مخالف نہیں ہے اور نہ اس کو تحقیق وسائنس اور ایجادات واکتشافات سے کوئی خطرہ ہی ہے، البتہ ایک شرط ہے کہ نسبت اس علم کی رب کی طرف ہونی چاہئے۔ اقراء باسم ربک (اپنے رب کا نام لے کر پڑھنا) گمراہی اور گناہ کا علم رب کا نام لے کر نہیں پڑھا جاسکتا۔

دوسرا نکتہ اس میں یہ ہے کہ "اقرا باسم اللہ" بھی نہیں کہا گیا۔ ذات الٰہی کی طرف نسبت نہیں کی گئی، صفت ربوبیت کی طرف نسبت ہے، پالنہار کی طرف نسبت کی گئی ہے اور پھر اللہ کی خالقیت کا ذکر ہے۔ فرمایا گیا "الذی خلق" (جس نے پیدا کیا) گویا پڑھنے کا مقصود اللہ کی معرفت ہونی چاہئے۔ اللہ کی معرفت اس کی صفات سے ہوگی اور سب سے زیادہ جو صفت تم سے قریب ہے وہ اللہ کی ربوبیت اور پالنہاری اور خالقیت کی ہے۔ رب وہ ہے کہ ایک شئی میں جو کچھ بننے کی قوت ہے وہاں تک اس کو ابتداء سے انتہاء تک آہستہ آہستہ تدریجاً پہنچادے۔ گیہوں کا ایک دانہ پودا بنے گا، پودے میں بالیاں لگیں گی، بالیوں میں سو دانے بنیں گے، اس طرح ایک دانے سے سو دانے بنیں گے۔ کون ہے جو اس دانے کو زمین میں پیوست کرتا ہے، پھر زمین کو چیرتا

ہے، زمین کے اندر پودے کے بطن سے ہرا سا پیا نکالتا ہے، پھر معمولی سی کونپل سطح زمین کو چاک کرتے ہوئے باہر آتی ہے اور ایک لہلہاتا ہوا پودا بنتی ہے۔ پودوں میں بالیاں لگتی ہیں۔ دانے میں پانی بھر آتا ہے۔ پانی کو پھر سکھا دیتا ہے، اور اس کو گند بنا کر کھلیان میں ڈالتا ہے اور ہماری روٹی کا انتظام کرتا ہے، اللہ فرماتے ہیں کہ میں ہی رب ہوں، "فالق الحب والنوی" ہوں، دانوں اور گٹھلیوں کو چیر کر پودے نکالتا ہوں۔ انسان کے معاملہ میں بھی اسی طرح اللہ کی شان ربوبیت جلوہ فرما ہے، باپ کی پیٹھ میں پانی، پھر رحم مادر میں جمع ہوا، خون کی صورت اختیار کی، اب اس کو صورت و شکل دی گئی، پھر ہڈیاں بنائی گئیں، پھر ان ہڈیوں پر چمڑے کا غلاف چڑھایا گیا، اس کے بعد اس میں روح ڈالی گئی، اس طرح ایک زندہ اور متحرک انسان وجود میں آتا ہے۔ جس کے پاس آنکھ، ناک، کان، دماغ سب کچھ ہے، چلتا پھرتا بولتا ہوا وجود ہے، پس وہی رب کائنات ہے، جس نے پانی کے حقیر سے قطرے کو ایک زندہ اور متحرک انسان کی شکل میں ڈھال دیا، انسان کی صورت سازی میں خدا کی شان ربوبیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن مجید نے کہا: "یصور کم فی الارحام کیف یشاء" (آل عمران: ٦) پانی میں کوئی تصویر بنا نہیں سکتا لیکن میری ذات ذوالجلال پانی پر تصویر کھینچ دیتی ہے اور نہ جانے کتنے کروڑوں نمونے ہمارے پاس ہیں۔ ہر ایک کی تصویر الگ بنتی ہے۔ کسی کا چہرہ نہیں ملتا، کسی کے انگوٹھے کا نشان نہیں ملتا۔ کسی کی آنکھ نہیں ملتی، میری طاقت پہ یقین رکھنے والو اور میری ربوبیت کا ادراک کرنے والو! اس وسیع میدان میں تم جدھر جاؤ گے پکار اٹھو گے کہ وہ "احسن الخالقین" ہے، وہی بہترین پیدا کرنے والی ذات ہے، پس حقیقی علم وہ ہے جو اللہ کی معرفت کی طرف تم کو لے جاتی ہے، اللہ کی صفات اور اللہ کی شان ربوبیت کا علم اور ہر وہ علم جو خالق کائنات کی قدرت کے سامنے تم کو سر جھکا دینے پر مجبور کرے، وہ سب "اقرء" کا موضوع ہے، انسانوں کو وہ روٹی دیتا ہے اور روٹی دینے کے جتنے علوم ہیں، وہ سب علوم ربانی ہیں اور اللہ کی معرفت کا ذریعہ ہیں۔ کائنات میں چھپے

ہوئے خزائن کا علم اللہ کی معرفت کا ذریعہ ہیں۔ بارش کیسے ہوتی ہے؟ آسمان سے برسنے والا بادل کیسے برستا ہے؟ پودوں میں جان کیسے پیدا ہوتی ہے؟ جن کو تم سائنس کا نام دیتے ہو، درحقیقت یہ سب صفات الٰہی کو جاننے کا ذریعہ ہیں، بس نیت کو درست کرنے کی ضرورت ہے، اگر اللہ کی پہچان کے لئے یہ علوم حاصل کرو گے تو حقیقت تک پہنچو گے اور اگر اپنی انا کا جذبہ کار فرما ہوگا تو دھوکہ کھاؤ گے اور یہی علوم خدا تک رسائی میں حجاب بن جائیں گے۔ کائنات کی سب سے بڑی حقیقت مالک کائنات کا وجود ہے!

''**وربک الاکرم**'' اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔''**الذی علم بالقلم**'' جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی۔ ''قلم گوید کہ من شاہ جہاں نم'' گویا علم کا ذریعہ زبان بھی ہے اور قلم بھی، غالباً اس آیت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کا عہد نبوت، علم کی اہمیت کا عہد ہوگا اور آخر میں فرمایا گیا ''**علم الانسان مالم یعلم**'' انسان جو نہیں جانتا تھا اس کا اللہ نے علم دے دیا۔ یہ پہلی آیات ہیں جو حضور اقدس جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئیں۔

خلق محمدی حضرت خدیجہؓ کے الفاظ میں

حضور ﷺ پریشان وحیران واپس آتے ہیں اور سیدہ خدیجہؓ سے کہتے ہیں: ''زملونی زملونی'' (مجھے کمبل اڑھادو، مجھے کمبل اڑھادو) خدیجہؓ پوچھتی ہیں کہ کیا ہوا ہے؟ فرمایا: ایسا ایسا قصہ ہے، مجھے اپنے آپ پر خوف محسوس ہوتا ہے، حضرت خدیجہؓ کہتی ہیں: لا یخزیک اللہ ابدا (اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا) یہ وہ خاتون ہیں جو شب وروز اور زندگی کے ہر لمحہ حضور ﷺ سے قریب رہیں۔ خود قرآن نے میاں اور بیوی کے رشتہ کو جس طرح تعبیر کیا ہے اس کو بھی یاد رکھئے گا قرآن کہتا ہے کہ بیویاں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم بیویوں کے لئے لباس ہو۔ یعنی شوہر سے بیوی کا کوئی عیب چھپ نہیں سکتا اور بیوی سے میاں کی کوئی کمزوری چھپ نہیں سکتی، جیسے لباس سے کوئی چیز چھپائی نہیں جاسکتی، اسی طرح شوہر و بیوی سے ایک

دوسرے کی کمزوریاں مخفی نہیں رہ سکتیں۔لیکن میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بحیثیت ایک ایسی خاتون کے جوخلوت وجلوت میں ہمہ دم حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ہے، وہ خاتون آج کہتی ہیں: نہیں گھبرائیے، اللہ آپ کوکبھی رسوانہیں کرے گا۔"لا یخزیک اللہ"لیکن اصل لذت کی بات آگے ہے، اس کومحض معجزہ سمجھ کرنہیں بلکہ اسوہ اورنمونہ سمجھ کرسنیں، اگرمسلمان اس اسوہ کواپنے لئے مشعل راہ بنالیں تو مسلمان سوسائٹی کی موجودہ مشکلات دورہوجائیں اورغیروں کے دلوں میں ہماری جونفرت ہے، حضور ﷺ کی ان چنداداؤں پرعمل کرنے سے دورہوسکتی ہے۔جن اداؤں کامشاہدہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ نے کیا، اللہ آپ کورسوا کیوں نہیں کرے گا؟ دلیل سنئے اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کوئی فرد اورکوئی قوم اگران مکارم اخلاق پرچلتی رہے گی تو سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کی پیشین گوئی کے مطابق وہ ہلاک اور بےعزت ورسوانہیں ہوگی وہ اوصاف کیا ہیں:"انک لتصل الرحم"آپ رشتہ داروں کاحق اداکرتے ہیں۔یادرکھئے لوگو! آپ نے اپنوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا ہے اورغیروں کے ساتھ بھی، ایک چھوٹا سا واقعہ سنادوں کہ حضور ﷺ اپنے چچاسیدنا عباسؓ کے پاس جاتے ہیں، کہتے ہیں چچاجان! ہمارے دوسرے چچا ابوطالب اس وقت مالی اعتبار سے بڑے بحران میں ہیں۔معاشی اعتبار سے بہت پریشان ہیں۔ کثیرالعیال ہیں، بچوں کی پرورش ٹھیک سے نہیں کرسکتے۔میری بھی کچھ حالت سنبھلی ہے، آپ کی حالت بھی اچھی ہے۔ چلئے چچا سے ہم دوبچوں کولے لیں۔ ایک کوہم اپنے پاس رکھ لیں، ایک کو آپ اپنے پاس رکھ لیجئے، چنانچہ حضور ﷺ کے حصے میں جوآئے وہ سیدنا علی ابن ابی طالبؓ ہیں اورحضرت عباسؓ کے حصے میں حضرت عقیل آئے۔ یہ نبوت سے پہلے کا قصہ ہے، اپنے چچا کی پریشان حالی دیکھ کرایک لڑکےکوآپ ﷺ اپنے گھرلے آئے اورحضرت عباسؓ دوسرے لڑکے کواپنے گھرلے آئے اوردونوں بچوں نے دونوں گھروں میں اس طرح پرورش پائی جیسے اپنے گھروں میں پرورش پائی ہو، آگےفرماتے ہیں: "وتکسب المعدوم" بعض لوگوں نے

حرکت کے کسی قدر فرق کے ساتھ ''تکسب المعدوم'' پڑھا ہے، میں آپ کو اس جھگڑے میں نہیں ڈالنا چاہتا کہ ان میں سے کون سا اعراب زیادہ درست ہے؟ اس پر بڑی بحثیں کی ہیں لوگوں نے، میں اس کا ترجمہ کیا کرتا ہوں'' آپ تو ایسے لوگوں کو کام اور کمائی سے لگا دیتے ہیں جن کے پاس کچھ نہیں ہے'' کئی ترجمے اس میں ہیں، آپ ﷺ اپنی کمائی سے مفلسوں کی مدد کر دیتے ہیں، جس کے پاس کچھ نہیں، آپ ﷺ ان کے ہاتھوں میں کمائی دے دیتے ہیں اور ان کو اس لائق بنا دیتے ہیں کہ وہ کما سکیں، بہر حال منشاء ایک ہی ہے کہ آپ سماج کے لئے اور ایسے لوگوں کے لئے جو معاشی اعتبار سے مفلس اور دیوالیہ ہیں، سہارا ہیں، کیا آپ کی امت کے لئے اس میں کوئی سبق نہیں ہے؟ استحصال کرنے والے اور غربت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر سود کے نام پر غریب انسانوں کا خون چوسنے والے معاشرہ کو کوئی مناسبت حضور ﷺ کے معاشرے سے ہے؟ پس لوگو! کیا ہمارے لئے انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی اس کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم اپنی قوم کے بے سہاروں کو معاشی سہارا دیں، یہ محض ایک قومی مسئلہ نہیں بلکہ انسانی مسئلہ ہے۔ کسی بھی کمزور انسان کو روزی سے لگا کر اس کو روزی کمانے کے لائق بنا دیں۔ یہ بعینہ اتباع جناب رسول اللہ ﷺ کی ہے، آگے حضرت خدیجہؓ نے فرمایا: ''وتحمل الکل'' (اور آپ بوجھ اٹھاتے ہیں) اس کی ایک چھوٹی سی تصویر یہ ہے کہ بازار میں کوئی بڑا بوجھ لئے ہوئے بڑھیا جا رہی ہے، بوجھ اٹھ نہیں رہا ہے، تو تم اپنے لئے عار مت محسوس کرو، تم جا کر اس کا بوجھ نہ صرف یہ کہ اس کے سر پر اٹھا دو بلکہ اپنے سر پر اٹھا کر اس کے گھر پہنچا دو۔ اس میں شرم محسوس کرو گے، عار کا احساس ہونے لگے کہ میں سوٹ پینٹ میں ہوں، میں بہادر ہوں، افسر ہوں، کالج کا طالب علم ہوں، اس بڑھیا کا یا اس بوڑھے اور کمزور کا بوجھ اپنے سر پر کیسے اٹھاؤں؟ تو اس وقت یاد کر لینا کہ یہ کام تو ہمارا آقا کیا کرتے تھے'' ﷺ'' کیا ہم میں سے کوئی ہے جو حضور ﷺ کے مبارک پاؤں کی مبارک گرد اور دھول کے برابر بھی ہو، اگر آقا نے بوجھ سے لدے ہوئے اور تھکے ہوئے

انسانوں کا بوجھ اپنے سر پر اٹھایا ہو تو پھر ہم اس کو اٹھانے میں عزت کیوں نہ محسوس کریں؟

میرے عزیز دوستو! یہ باتیں غیروں نے ہم سے سیکھیں اور ہم نے اپنا سبق بھلا دیا، یہ توبوجھ اٹھانے کی ایک ظاہری اور معمولی صورت ہے، لیکن اصل مطلب اس کا یہ ہے کہ سماج میں جو شخص اپنا بوجھ خود اٹھانے کے لائق نہیں ہے، اس کے بوجھ کی ذمہ داری حضور ﷺ لے لیتے ہیں، آج بھی یہ مسائل موجود ہیں۔ جوان بیٹی بیٹھی ہے، شادی نہیں کر پاتا اور نہ جانے ایسی کیا کیا مشکلات ہیں جن کو خود حل نہیں کرسکتا، ایک مومن کی ذمہ داری ہے کہ چاہے کوئی مومن ہو یا غیر مومن، مسلم ہو یا غیر مسلم، سماج میں پچھڑا ہوا کہلاتا ہو یا سماج کا کچلا ہوا ہو، شودر کہلاتا ہو یا اچھوت سمجھا جاتا ہو، یا برہمن ہو، یہ ایک نظر سے سبھوں کو دیکھے۔ مومن اور محمد ﷺ کا غلام سبھوں کو ایک نگاہ سے دیکھتا ہے۔ "کلکم بنو آدم" تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم کا بیٹا بوجھ تلے دب کر کچل جائے، یہ محمد کا امتی برداشت نہیں کرسکتا، پس انک لتحمل الکل سے مراد یہ ہے کہ آپ تو ہر اس شخص کا جو بوجھ تلے دبا جا رہا ہو، بوجھ اٹھا لینے والے ہیں۔ یہ ہیں وہ اخلاقِ حسنہ اور اسوہ مبارک جن کی وجہ سے سیدہ خدیجہ فرماتی ہیں کہ "نہیں نہیں آپ کو اللہ رسوا نہیں کرے گا۔ اللہ آپ کو ہلاک نہیں کرے گا"۔

اور اتنا ہی نہیں "وانک لتعین علی نوائب الحق" اور کیسی ہی قدرتی آفت اور مصیبت کیوں نہ آجائے جس میں مددگار اور سہارے کی تلاش ہو، آپ وہاں نظر آتے ہیں۔ **صلی اللہ علی سیدنا محمد**۔ آگ لگ جائے، تو آپ، پانی میں کوئی ڈوبنے لگے تو آپ، کسی کا گھر گرنے لگے تو آپ، کوئی بھی شخص جو کسی آفت اور مصیبت میں شکار ہو، اس کی مدد کے لئے نظر آنے والی ذات والا صفات آپ کی ہے۔ بخاری کی روایت میں اتنے ہی الفاظ ہیں، بعض روایتوں میں دو لفظ اور ہیں " انک لتصدق القول " اور آپ جب بولتے ہیں تو سچ بولتے ہیں۔ آپ کا ہر بول سچ ہوتا ہے، کبھی آپ جھوٹ نہیں کہتے " وانک لتؤدی الامانۃ" اور

آپ امانت ہمیشہ ادا کرتے ہیں۔ پس آپ امین بھی ہیں اور صادق بھی۔

یہ ہے وہ شہادت جو وحی کے نازل ہونے کے وقت حضور ﷺ کے اخلاق کی بلندی وعظمت اور ان کے کردار کے متعلق سیدہ خدیجہ نے دی ہے جو آپ کی بیوی ہیں اور ہر سرد و گرم اور شب و روز سے واقف ہیں۔

پہلے ایمان لانے والے

حضرات! عورتیں پورے فخر کے ساتھ کہہ سکتی ہیں کہ سب سے پہلے ہم ایمان لائے ہیں، یہ عجیب بات ہے کہ اس سلسلہ میں زیادہ متفق علیہ بات یہی ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والی خاتون ہیں، یعنی حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضور ﷺ کے معجزات اور انتہائی درجہ کے کمال کو بتانا ہو تو یہی کہو کہ بیوی سب سے آخر میں مانتی ہے، لیکن میرے حضور ﷺ کی بیوی نے سب سے پہلے مانا ہے، بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی ابن ابی طالب ایمان لائے ہیں اور دوستوں اور جوانوں میں حضرت ابوبکر صدیق، حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جس پر بھی اسلام پیش کیا سب نے کچھ ہچک، سوچ، فکر اور تذبذب کا اظہار کیا۔ لیکن ایک اور صرف ایک شخص ایسا ہے کہ جب ان کے سامنے میں نے اسلام کی دعوت پیش کی تو بلا تذبذب قبول کر لیا اور وہ ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تو یہ قافلہ اس طرح چلا، اس میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ ہیں، علی ابن ابی طالبؓ ہیں، جو دس یا چودہ برس کی عمر کے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق ہیں جو اڑتیس سال کے ہیں، حضور ﷺ سے دو برس چھوٹے ہیں، گویا نبوت کے وقت ان کی عمر ۳۸ سال ہے، دعوت کا کام ابوبکر صدیق نے شروع کیا اور ان کے ہاتھ پر اسلام لائے عثمان بن عفانؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور کچھ اور لوگ، اس طرح سات کا قافلہ بنا، ارقم بن ابی الارقم کا گھر حضور اکرم ﷺ کی دعوت کا مرکز بنا جو دار ارقم کے نام سے معروف ہے، حضور ﷺ کی خواہش تھی کہ ابوجہل اور عمر بن الخطاب میں سے کوئی اسلام لے آئے، آپ ﷺ نے

دعافرمائی: "اللھم انصر الاسلام باحد العمرین" (اے اللہ ان دونوں یعنی حضرت عمر بن الخطاب اور عمرو بن ہشام میں سے کسی ایک کو توفیق اسلام عطافرما) اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر فاروقؓ کی صورت میں یہ دعا قبول فرمائی۔

حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام

اسی زمانے میں ایک اور ممتاز شخصیت دامن اسلام میں آئی، جن کی بہادری اور شجاعت معروف تھی، یعنی سیدنا حمزہ جو حضور ﷺ کے چچا بھی ہیں اور رضاعی بھائی بھی، انہوں نے بھی ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔ ایک دن کہیں سے آئے تو کسی نے کہا کہ آج تیرے بھتیجے کو ابوجہل نے بڑی گالیاں دی ہیں، آپ شکار سے آئے تھے تیر وکمان لئے ہوئے پہنچ گئے۔ ابوجہل کے سر پر مارا اور کہا کہ تو نے میرے بھتیجے کو گالیاں دی ہیں، آگے جو بات پیش آئی وہ خاص طور پر قابل توجہ ہے، جب حضرت حمزہ واپس آئے۔ حضور ﷺ سے کہا کہ میں نے آپ کا بدلہ لے لیا، حضور ﷺ نے کہا کہ چچا! مجھے آپ کے اس بدلہ کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کلمہ پڑھ کر فلاح پا جایئے، یعنی سیدنا حمزہ نے شروع میں خاندانی حمیت میں جا کر بھتیجے کی طرف داری میں ابوجہل سے بدلہ لیا تھا، اسلام کو اور ہمارے آقا کو اس کی ضرورت نہیں کہ کوئی خاندانی حمیت میں آکر ہماری حمایت کرے۔ اگر کوئی کلمہ پڑھ کر حق اور سچائی کا اعتراف کرتا ہے تو وہ چاہے حبش کا کالا کلوٹا بلال کیوں نہ ہو، ہمارے لئے قیمتی ہے، اگر ابولہب بھی حضور ﷺ کی مدد کے لئے تیار ہوجاتے تو اس کی مدد کی کوئی قیمت نہیں اور اسلام کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مزاج دیا گیا کہ عصبیت اور حمیت خاندانی مطلوب نہیں ہے، اصل چیز کلمہ حق اور سچائی کا اعتراف ہے، حضور ﷺ کی اس بات نے حضرت حمزہ کو بہت متاثر کیا اور خاندانی حمیت "ایمانی حمیت" کے سانچے میں ڈھل گئی، حضرت حمزہ نے کلمہ شہادت پڑھا اور ایمان لے آئے۔ چنانچہ اسلام کو سیدنا حمزہؓ کے ایمان نے بڑی طاقت دی۔

پھر اللہ نے حضرت عمر بن الخطابؓ کو توفیق عطا فرمائی۔ اس کا قصہ آپ کو معلوم ہوگا۔ فاطمہ بنت خطاب ان کی بہن پہلے اسلام لے آئی تھیں، میں تفصیل میں نہیں جاتا، سیدنا عمر بن خطاب کے ساتھ چالیس افراد پورے ہوگئے۔ یہ چالیسویں مسلمان ہیں، بہن کی استقامت اور دعوت حضرت عمر کے قبول اسلام کا باعث بنی، جہاں اسلام کی تاریخ میں خواتین کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ سب سے پہلے ان کو ایمان لانے کی توفیق میسر آئی، وہیں یہ اعزاز بھی ان کو حاصل ہے کہ حضرت عمر جیسی شخصیت کے دامن اسلام سے وابستہ ہونے کا سبب ایک خاتون ہی بنی ہیں۔ وہ قافلہ جو حضور ﷺ کے بعد حضرت خدیجہؓ سے چلا تھا۔ علی اور ابوبکر سے بڑھا تھا۔ عثمان عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ اور زبیر کے ساتھ پھیلا تھا۔ ابوعبیدہ اور ارقم بن ابی ارقم کے ذریعہ آگے بڑھا تھا۔ آج اس قافلہ کو چالیسواں ساتھی مل گیا اور وہ ہیں سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ۔

مصائب اور ابتلائیں

مصیبتوں کا دور آ گیا۔ وہ جو بڑا ہر دلعزیز تھا جو بڑا محبوب تھا، جو بڑا پیارا تھا، شہر میں جس کے گن گائے جاتے تھے۔ اب وہی لوگوں کی مخالفت اور عداوت کا مرکز بن گیا، یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے، میں خصوصیت سے علماء، ارباب حل وعقد اور ذمہ داروں سے کہتا ہوں کہ آپ صالح اور نیکوکار بن کر رہئے۔ واللہ آپ سے کوئی نہیں جھگڑے گا، کوئی آپ کو پریشان نہیں کرے گا، آپ کے بارے میں تاثر ہے کہ بڑا نیک ہے، بہت اچھا آدمی ہے، ہر وقت عبادت میں مشغول رہتا ہے، بہت پیارا آدمی ہے، لیکن جب بھی آپ جہد وعمل کے میدان میں آئیں گے، حق وصداقت کی آواز اٹھائیں گے اور داعی بن کر زندہ رہنا چاہیں گے، وہیں آپ کو اپنی ہر دلعزیزی اور محبوبیت کو پہلے اپنے ہاتھوں سے قربان کر دینا ہوگا۔ پھر تو آپ متنازعہ فیہ بنیں گے۔ تنازعہ ہوگا۔ لوگ آپ کی مخالفت کریں گے، آپ کو تکلیف پہنچانا چاہیں گے۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ اس وادی میں آؤ جو ابتلاء وآزمائش کی وادی ہے، جو جدوجہد اور حرکت وعمل کی وادی

ہے۔حق اور سچائی کی دعوت کا میدان ہے۔تو تم کو پہلے سوچ لینا چاہئے کہ ''شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی'' اور کسی نے کیا خوب کہا ہے

جس کو ہو جان و دل عزیز   میری گلی میں آئے کیوں؟

ورقہ بن نوفل کو کسی نے کچھ نہیں کہا، زید بن عمر بن نفیل کو بھی کسی نے کچھ نہیں کہا اور بھی کئی موحدین تھے، ان کو کسی نے کچھ نہیں کہا، لیکن محمد عربی جو سب سے زیادہ ہر دلعزیز اور محبوب تھے۔وہ ہر طرح کے طعن اور حملوں کا نشانہ بنے کیا کیا ایذائیں نہیں پہنچائی گئیں، صحیح روایتوں کے مطابق گندگی اور غلاظتیں پھینکی جاتیں۔دروازے پر ڈال دی جاتیں اور لکھا ہے کہ کبھی ان کے گھر کے اندر لوگ جا کے ڈال آتے، کبھی چلتے ہوئے جسم مبارک پر ڈال دی جاتی اور کبھی کعبہ کے حرم میں پیٹھ پر اوجھ ڈال دی جاتی۔گالیاں دی جاتیں، کانٹے بچھائے جاتے اور جاں نثاروں کو تو ہر طرح کی تکلیف جھیلنی پڑتی۔یہ حبش کے کالے کلوٹے بلال ہیں، یہ خباب بن ارت ہیں، یہ عمار ہیں اور یہ ان کے والد یاسر اور یہ انکی ماں سمیہ ہیں، یہ مصعب بن عمیر اور عثمان غنی ہیں، کونسی تکلیفیں ہیں جن سے یہ لوگ نہیں گذرے، وہ لوگ جو سمجھتے ہیں کہ اسلام تلوار کی زور سے پھیلا۔ چلئے ان کو مکہ کی ان گلیوں میں گھمادیں، جہاں بلال کراہ رہا ہے، اور آہ کہہ رہا ہے۔جس کو مکہ کی کنکریلی پتھریلی سڑکوں پر گرمی اور دھوپ میں گھسیٹا جارہا ہے، وہ جس کے بدن پر انگارا ڈالا جارہا ہے۔مارنے والا تھک جاتا ہے، عام لوگوں کی طرح ''آہ'' اور ''اوہ'' نہیں بلکہ اس کی زبان سے ''احد احد'' کی آواز نکل رہی ہے۔پوچھو کہ کس نے بلال کو تلوار سے دبایا تھا؟ کس نے معصب بن عمیر کے پیروں میں بیڑیاں ڈالی تھیں؟ کس نے عثمان غنی کو چٹائیوں میں لپیٹ کر مرچ کا دھواں دیا تھا؟ اور کس نے ابو بکر صدیق کو "بنعال مخصوفه" (کیلیں نکلے ہوئے جوتوں) سے پیٹا تھا، وہ ابو بکر جو عرب کا ایک باعزت ترین آدمی تھا۔مکہ کے بازاروں میں جوتوں سے پیٹا جارہا ہے، اس کا بدن خون سے لہولہان ہے اور قصور صرف اس قدر تھا کہ حضور ﷺ کے گردن میں

چادر ڈال کر اس طرح کھینچا گیا کہ حضور ﷺ کی جان نکل جائے۔ تو اس نے چیخ کر کہا تھا کہ اے لوگو تم کیا کر رہے ہو، کیا کسی اللہ کے بندے کو اس لئے مار دینا چاہتے ہو کہ اس نے کہا ہے کہ ''ربی اللہ'' (میرا رب اللہ ہے)، یہی اس کا قصور ہے، اب حضور ﷺ کو چھوڑ کر عتاب حضرت ابو بکر پر پڑا۔ گھر اٹھا کر لے جائے گئے تو جان بچی، جب حضرت ابو بکر کو ہوش آیا تو ماں نے چاہا کہ ایک گلاس دودھ بیٹے کو پلا دیں، بیٹے نے کہا ماں! میں اس وقت تک دودھ کیا پانی کا ایک قطرہ نہیں پی سکتا۔ جب تک میں اپنے حضور ﷺ کی صورت نہ دیکھ لوں کہ وہ خیریت سے ہیں کہ نہیں؟ ظاہر ہے نہ ماں مسلمان ہوئے تھے اور نہ باپ۔ دونوں ناراض ہوئے کہ اسی باعث تیرا یہ حشر ہوا، پھر بھی تو ان کا نام نہیں چھوڑنا چاہتا۔ بہرحال معلوم ہوا کہ آپ تو چھپے ہوئے ہیں۔ فاطمہ بنت خطاب سیدنا عمر کی بہن کہتی ہیں کہ ہاں ہاں میں لے جاؤں گی۔ ایک ہاتھ ماں کے کاندھے پر دوسرا ہاتھ فاطمہ کے کاندھے پر، پیر گھسٹتا ہوا اس زخمی کو دار ارقم تک لے جایا جاتا ہے اور جب حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں تب ابو بکر صدیق کو چین آتا ہے۔ ایسی تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائیں عقبہ بن ابی معیط نے چہرہ مبارک پر تھوکا ہے، اللہ اکبر، سوچو لوگو! کونسی تکلیف آقا نے نہیں آٹھائی۔

ایک اور آزمائش

ایک بار وفد میں کچھ لوگ آئے کہ بھتیجے کچھ بات طے کرلو، معاہدہ کرلو۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں ٹھیک ہے۔ یہ اچھی بات ہے، مجھے ایک بات کا عہد آپ لوگ دے دیں تو ''تملکون بھا العرب وتدین لکم العجم'' (سارے عرب کے بادشاہ بھی آپ لوگ ہوجائیں گے اور سارا عجم بھی آپ لوگوں کا فرماں بردار ہوجائے گا) کیا یقین تھا اس پر غور کیجئے! مشکلات، رسوائیاں، گالیاں اور دشنام طرازیاں، ایسا شخص کہے کہ ''تم سارے عرب اور سارے عجم کے مالک بن جاؤ گے'' حقیقت یہ ہے کہ یہ آپ کی نبوت صادق کی دلیلوں میں سے ایک

ہے، نبی کے سوا کوئی شخص مستقبل کے بارے میں اس یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا، ابو جہل نے کہا ایسی ایک نہیں دس بات منوالو، حضور ﷺ نے فرمایا کہ بس ایک بات "لا الـہ الا اللـہ محمد رسو ل الله" کا قرار کرو۔عرب تمہاری ملکیت اور عجم تمہار افرماں بردار ہوگا، لوگ برا بھلا کہتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے، لوگ مسلمانوں کو دیکھ کر مذاق اڑا رہے تھے کہ یہ آرہے ہیں ساری دنیا کے بادشاہ! کسی کہنے والے نے آپ پر طنز کیا کہ کیا یہ بچیں گے۔ان کے سارے بیٹے تو مر گئے۔ان کا تو کوئی نام لیوا نہیں رہے گا یہ تو "ابتر" ہیں۔ان کی نسل کا سلسلہ کٹا ہوا ہے، اب ان کی اولاد کا سلسلہ نہیں چلے گا۔قرآن نے اس کے جواب میں کہا۔ "ان شانئک ھو الابتر" آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہوجائے گا۔اللہ نے آپ کا نام ونشان تو اس شان سے باقی رکھا کہ چودہ سو سے زیادہ برس گذرنے کے بعد بھی اس کے جواب میں ہزاروں میل کی دوری پر بنگلور کے اس شہر میں رات کے دس سے بارہ تک بیٹھ کر ہر کس وناکس اشھدان لا الـہ الا اللـہ واشھد ان محمد رسول الله کہہ رہا ہے" ﷺ"۔

بائیکاٹ

غرض دوستو! تکلیفوں اور مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹا۔آخر میں لوگ جمع ہوئے کہ بائیکاٹ کریں، آپ کے پورے خاندان کا بائیکاٹ کیا گیا اور یہ معاہدہ کیا گیا کہ نہ ہم ان سے نکاح کا رشتہ جوڑیں گے، نہ ان کو ہم کچھ بیچیں گے اور نہ ہم ان کا کچھ خریدیں گے، یعنی حقہ پانی بند۔ حضور ﷺ اور سارا خاندان ابو طالب کی گھاٹی میں جا کر محبوس ہوگیا۔ سارا مکہ کٹا ہوا ہے اور بے تعلق ہے، ایک دن دو دن نہیں، مسلسل تین سال تک اس قید و بند کی زندگی گذاری۔راوی لکھتا ہے کہ مسلمان بچوں کے بھوک سے رونے اور بلکنے کی آواز مکہ کی وادیوں میں گونجا کرتی، ایک ایک قطرہ دودھ اور پانی کے لئے ترستے اور روتے تھے۔اور کسی کو ان کے بارے میں رحم کا کوئی خیال نہیں آتا تھا۔کس نے ایسی تکلیفیں اٹھائی ہے لوگو! اسی کو آپ ﷺ نے فرمایا "ان اشـــد

الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل والامثل" کیا آپ کے لئے یہ عبرت کا سامان نہیں ہے کہ حق اور سچائی کے راستے میں مصائب کو خوش آمدید کہہ سکو تکلیف آئے گی، غربت آئے گی، افلاس آئے گا، گالیاں سنو گے، طعنوں سے گذرنا پڑے گا، لوگوں کے مذاق کا موضوع بنو گے، لیکن اے متبعین جناب محمد رسول اللہ ﷺ! ہر ایسے موقع پر حق اور سچائی کے لئے، ذلت اور مصیبت اٹھانے والوں کے لئے، محمد عربی ﷺ کا نمونہ سامنے موجود ہے، یہ دیکھ کر تمہاری ہمت بلند ہوگی، برداشت کی صلاحیت بڑھے گی، حالات کی نزاکتوں سے نہ گھبراؤ گے، مصیبتوں کے سامنے سینہ سپر ہونے کا حوصلہ پیدا ہوگا، پس اللہ کے راستہ میں آزمائشوں کو برداشت کرنے والا اور بڑی سے بڑی اذیتوں سے گذر کر بھی اللہ کی رضا کے لئے سب کچھ کھو دینے والا مومن ہی اصل میں متبع ہے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا۔

اسلام کی راہ میں پہلی قربانی

حضور ﷺ گذرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ماں، باپ، بیٹے سب پر مار پڑ رہی ہے، یاسرؓ کو مارا جارہا ہے، سمیہؓ کو مارا جارہا ہے، ان کے بیٹے عمارؓ کو مارا جارہا ہے، حضور ﷺ سے برداشت نہیں ہوتا ہے فرماتے ہیں " اللھم ارحم آل یاسر' (اے اللہ! یاسر کے گھر والوں پر رحم فرمائیے) اے اللہ ان کو صبر و برداشت کی قوت عطا فرمائیے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے حضرت سمیہؓ کی چھپی ہوئی جگہ (شرمگاہ) پر اس طرح برچھی ماری کہ حضرت سمیہؓ شہید ہوکر گریں۔ پس اللہ کے رسول کی خاطر، اسلام کی خاطر پہلا قطرہ خون جو اس زمین پر گرا ہے وہ بھی اتفاق سے ایک خاتون کا ہے۔ ہماری بہنیں اگر فخر کریں تو بجا ہے۔ پہلا کلمہ اسلام کا پڑھنا ایک خاتون کے نصیب میں آیا اور پہلی قربانی کے خون کا قطرہ بہنا بھی ایک خاتون ہی کے حصہ میں آیا۔ ان ساری تکلیفوں اور مصیبتوں سے حضور اقدس جناب رسول اللہ ﷺ کو گذرنا پڑا۔

ہجرت حبش

تکلیفوں سے پریشان ہوکر حضور ﷺ نے ایک رائے دی کہ پڑوس میں ایک ملک ہے، اس ملک کا نام حبشہ ہے، سنا ہے کہ بادشاہ وہاں کا اچھا ہے۔ اس کی سلطنت میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ کچھ لوگ وہاں چلے جاؤ۔ پہلی بار سات افراد کا ایک قافلہ گیا، جس میں سیدنا عثمان غنیؓ اور ان کی بیوی رقیہؓ شامل تھیں۔ وہاں کچھ دنوں آرام سے رہے۔ پھر ان کو غلط خبر ملی کہ مکہ میں صلح ہوگئی ہے۔ واپس چلے آئے۔ آئے تو دیکھا کہ سارا قصہ یوں ہی ہے جیسا تھا۔ پھر سارے لوگ مصیبتوں کی چکی میں پسنے لگے۔ بعد کو ایک بڑا قافلہ گیا۔ جب یہ ہجرت کرکے حبشہ پہنچتے ہیں تو وہاں آرام سے ہیں۔ لیکن مکہ والوں کو چین نہیں کہ یہ آرام سے رہیں۔ چنانچہ مکہ سے ایک وفد عمر وبن العاص اور ایک صاحب پر مشتمل وہاں پہنچتا ہے اور آج سفارتی دنیا میں، جو ڈپلومیسی اختیار کی جاتی ہے وہی ڈپلومیسی اس وفد نے اختیار کی۔ کمپنی کے مالک سے بات کرنے سے پہلے ان کے عہدیداران کو اور وزیر سے بات کرنے سے پہلے اس کے متعلق لوگوں کو تحائف دے کر ہاتھ میں کرلو۔ چنانچہ خوب خوب قیمتی تحائف لے گئے اور پہلے ان لوگوں کو دیا جو ان کے درباری تھے۔ پھر بادشاہ سلطنت کی خدمت میں پیش کیا اور کہا کہ عالی جاہ! ہماری قوم کے کچھ لوگ بھاگ کر آپ کے یہاں چلے آئے ہیں۔ یہ ایسے ہیں، یہ ویسے ہیں، اس لئے آپ ان کو ہمارے حوالے کردیں۔ درباریوں نے بھی تائید کی کہ یہ بھاگے ہوئے ہیں۔ باغی ہیں غدار ہیں۔ ان کو ساتھ کردیجئے۔ وہ سب تیار کئے ہوئے لوگ تھے۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے کہا، مگر میں جب تک ان کی بات سن نہ لوں، کیسے ان کو حوالے کردوں۔

مسلمانوں کو طلب کیا گیا، مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفرؓ نے جوابی تقریر فرمائی۔ حضرت جعفرؓ کی نہایت ذہانت پر مبنی اور مومنانہ تقریر ہی سنانے کے لئے میں اس واقعہ پر آیا ہوں۔ سیدنا جعفرؓ نے جو کہا وہ خدا کی قسم کفر وجاہلیت کی اندھیری رات اور اسلام کی روشن صبح کی

صحیح تصویر ہے، آپ نے فرمایا۔ نجاشی! ہم جاہلیت میں تھے، ہم سینکڑوں خداؤں کو پوجتے تھے، ہم آپس میں قتل وخون کرتے تھے۔ عورتوں کی عزت وآبرو سے کھیلتے تھے، شراب پیتے تھے، ہر طرح کی برائی اور بد اخلاقی کا شکار تھے کہ اچانک ہم میں اللہ کا ایک نبی آیا، اس نے کہا کہ لوگو! ایک اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی پوجا نہ کرو، وہ مورتیاں جو اپنے اوپر سے مکھی کو اڑا نہ سکیں، تمہاری عبادت اور بندگی کے لائق نہیں ہیں۔ ایک دوسرے کا ناحق قتل مت کرو، ایک دوسرے کا ناحق مال مت کھاؤ، جھوٹ مت بولو، وعدہ وفا کرو، کسی عورت کی عزت پر بری نگاہ مت اٹھاؤ، اس نے ہم کو مکارمِ اخلاق کی تعلیم دی، ہم نے اس کی دعوت قبول کی، ہم نے "لاالـہ الا الـلـہ محمد رسـول الـلـہ" پڑھا۔ اس جرم میں انہوں نے ہمیں مصائب میں ڈالا۔ ہم نے سنا کہ نجاشی ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ملک میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا، اس لئے ہم آپ کے ملک میں آئے، اب آپ جو فیصلہ کریں۔

جاہلیت کی رات اور اسلام کی صبح

حضرت جعفرؓ کی اس تقریر میں دونوں تصویروں کو دیکھ لو، اس تقریر میں ایک طرف کفر وبد دینی، خدا سے بے خوفی، آخرت کی جواب دہی کے احساس سے محرومی کے اثرات ونتائج اور فساد ودہشت گردی کا ذکر اور اس کی منہ بولی تصویر ہے۔ یہ دراصل مذہب حق سے محرومی کا لازمی نتیجہ ہے، دوسری طرف اسلام کے ذریعہ آنے والی رحمتوں اور نعمتوں، امن وآشتی، باہمی احترام ومحبت، پاس آدمیت اور عدل وانصاف ہے، یہ خدا کے خوف، رسول ﷺ پر یقین اور آخرت پر ایمان کا فطری اثر ہے، وہ جاہلیت کی رات تھی اور یہ اسلام کی صبح ہے، اب لوگو! سوچ لو کہ وہ رات اچھی ہے یا یہ صبح اچھی ہے؟ حضرت جعفرؓ کی اس تقریر نے (جیسا کہ میں نے عرض کیا) دراصل اس نکتہ کو واضح کیا ہے، کفر وجاہلیت ہر چوکھٹ پر سر جھکانے کا نام ہے، جان ومال کے احترام اٹھ جانے کا نام ہے۔ عورتوں کی عزت وآبرو کا پاس نہ رکھنے کا نام ہے۔ جھوٹ بولنے، وعدہ وفا نہ

کرنے اور امانت میں خیانت کرنے کا نام کفر و جاہلیت ہے۔ معرفتِ حق میں مگن صرف اپنے آقا اور مالک اللہ رب العالمین کے سامنے سر جھکانا، سچ بولنا، وعدہ پورا کرنا، امانت کو ادا کرنا اور حق کو قائم کرنا، ان کے خطبے میں نماز قائم کرنے کا ذکر بھی ہے۔ یہ اسلام کی تصویر ہے جو سیدنا جعفرؓ نے نجاشی کے سامنے پیش کی تھی اور اسی تقریر اور اسی خطبہ پر نجاشی نے فیصلہ کیا۔ اور وفد مکہ کو نکال باہر کیا۔ اور کہا کہ ہم ان اچھے لوگوں کو ملک سے باہر جانے نہیں دیں گے۔

لیکن ابھی بھی سازش ختم نہیں ہوئی، وفد نے سوچا اور کہا کہ ابھی ایک اور حربہ باقی ہے اور وہ یہ کہ بادشاہ ہے، عیسائی، ان لوگوں سے جاکر دوبارہ کہو کہ یہ قوم حضرت عیسیٰ کو نہیں مانتی، درباریوں نے یہ نجاشی سے کہا۔ پھر نجاشی نے بلوایا، تو حضرت جعفر نے کہا کہ ہاں ہم اتنا ہی مانتے ہیں جتنا ہم کو ہمارے رسول ﷺ نے بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت مریم پاک اور صدیقہ ہیں۔ مریم بتول عذراء اور کنواری ہیں، عیسیٰ اللہ کا کلمہ ہیں جو اللہ نے کنواری مریم پر ڈالا، اور عیسیٰ بن باپ پیدا ہوئے، ہم ان کو اللہ کا سچا نبی اور پیغمبر مانتے ہیں۔ ہم بس اتنا ہی مانتے ہیں۔ نجاشی نے کہا کہ خدا کی قسم جتنا تم نے کہا اس سے زیادہ ہرگز مسیح نہیں ہیں۔ اگر چہ اہلِ دربار نے چہ میگوئی کی، مگر نجاشی نے کہا کہ تم چاہے جتنی چہ میگوئی کرلو، حقیقت یہی ہے کہ "وکلمته القاها الی مریم" (وہ اللہ کا کلمہ ہیں، بول ہیں، جو مریم کی طرف القاء کئے گئے) اس طرح ان کو وجود بخشا گیا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ خود میرے ساتھ گذرا، اتفاقاً ایسا ہوا کہ مارشیس میں میری ایک شہادت مسلم پرسنل لا کے مسئلہ میں گذری، اٹارنی جنرل وہاں ایک ہندو بھائی تھے، وہاں کے چیف جسٹس ایک کرسچین تھے، وہ گھنٹوں سوالات کرتے رہے جب اٹارنی جنرل نے دیکھا کہ بات تو بنتی نہیں ہے۔ قرآن کی ایک آیت نکال کر پوچھا۔ اس کا کیا ترجمہ ہے؟ اس قرآن کی آیت کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ عیسائی اور یہودی ان سے تم دوستی مت کرنا، میں بھی ایک لمحے کے لئے ضرور پریشان ہوا۔ لیکن اللہ نے بات دماغ میں ڈالی، میں نے کہا کہ صاحب یہ مخصوص حالات

کے لئے ہے قرآن کا اصل اصول ہے کہ "لاینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلو کم فی الدین ولم یخرجو کم من دیار کم ان تبروھم و تقسطوا الیھم" (الممتحنہ:۸) جس میں اللہ نے کہا ہے کہ اللہ تم کو ان لوگوں سے دوستی کرنے سے منع نہیں کرتا جنہوں نے نہ تم کو گھر سے نکالا، نہ دین کے معاملے میں روکا۔ وہ سارا جھگڑا ان لوگوں کا ہے جو تم کو گھر سے نکالتے ہیں، جو دین سے تم کو پھیرتے ہیں، جو تم کو تمہارے مذہب پر چلنے نہیں دیتے۔ غرض یہ کہ اللہ نے وہ تدبیر الٹی کی اور خود قرآن کی اس آیت نے یہ بات واضح کردی، تو ایسا ہوتا ہے کہ مخالف وکیل جج کے رجحانات سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ وہی رجحان کا فائدہ اٹھانا چاہا عمر و بن العاص نے کہ مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کے عقیدے کے مسئلے کو چھیڑ کر بے انصافی پر آمادہ کیا جائے۔ مگر اللہ ہمیشہ حق کو غالب فرماتا ہے۔ سچائی غالب ہو کر رہی۔ یہ تو اہلِ مکہ کا حال تھا، لیکن جو لوگ مکہ میں بچ گئے تھے وہ اور زیادہ ظلم کا شکار ہو رہے تھے۔

میں چاہتا ہوں کہ ہجرت تک آپ کو پہنچا دوں، لیکن اب ہجرت مدینہ انشاء اللہ کل! آج آپ نے شروع سے حضور کا بچپن، حضور ﷺ کی جوانی اور حضور ﷺ کی نبوت کے احوال سنے، یہاں تک کہ ہجرت کا پورا ماحول تیار ہو گیا، ہجرت حبشہ کا واقعہ بھی سن لیا، اب آگے جو کچھ منظور ہو گا۔ اللہ کل کہلائے گا، میں امید کرتا ہوں کہ آپ نے ان باتوں کو توجہ اور دھیان سے سنا ہو گا، اور پھر پہلی بات کو لوٹاتا ہوں کہ لوگو! یہ کوئی علمی مباحثہ نہیں ہے۔ نہ کسی کے علم کا اظہار ہے، نہ آپ کے وقت گذارنے کا سوال ہے۔ دراصل حضور ﷺ کی رہنمائی کو اپنے کلیجہ سے لگا کر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں تبدیلی لانے کا سوال ہے۔

اللہ ہم کو حق پر ثابت قدم رکھے۔ حق کے لئے قربانیوں کی قوت عطا فرمائے، ہم حق کی راہ پر چلنے میں آزمائشیں نہیں مانگتے۔ ہمارے حضور ﷺ نے بھی آزمائشیں نہیں مانگیں۔ ہمارے حضور ﷺ نے بھی کہا تھا کہ اللہ تو جانتا ہے کہ کس طرح ہم دنیا کے سامنے ذلیل ہو رہے ہے

ہیں۔اے اللہ تو جانتا ہے کہ ہماری کوئی وقعت برقرار نہیں رہی۔اے اللہ تو جانتا ہے کہ ہماری جان خطرے میں ہے۔لیکن اگر تو راضی ہے تو ہم اس خطرے سے گھبراتے نہیں ہیں۔ہم تجھ سے آزمائش نہیں مانگتے،لیکن اگر کوئی آزمائش آجائے تو مالک تجھ سے ثابت قدمی مانگتے ہیں۔ آیئے اپنے مالک سے دعا کریں اور درود شریف پڑھیں۔رب صل وسلم وبارک علی سیدنا محمد۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

خطبات بنگلور اوّل

(تیسرا خطبہ)

حیات نبوی ﷺ

بائیکاٹ شعب ابی طالب تا وفات

''سب سے پہلا کام جو مدینہ کے لئے ہمارے آقا نے مکہ میں رہ کر کیا ہے، دو کام ہیں، ایک تو مسلمانوں میں اجتماعیت قائم کرنے کے لئے ہر قبیلہ اور ہر محلّہ کا ایک نقیب مقرر کیا ہے اور دوسرا کام یہ کیا ہے کہ ایک مدرس اور ایک استاد بھیجا، جو ان کی تعلیم وتربیت کا فرض انجام دے۔کاش کہ مسلمان آج اپنے لئے ان دونوں چیزوں کو اسوہ بنائے۔چنانچہ حضرت مصعب بن عمیرؓ تشریف لے گئے اور بارہ نقباء حضور ﷺ نے مقرر فرمائے جو اپنے اپنے زیر اثر علاقے میں مسلمانوں کی اجتماعیت کے امین وذمہ دار تھے، پس مسلمانوں کا اجتماعی وجود لازم ہے، جائز نہیں کہ مسلمان بغیر امیر وسردار کے رہے، حرام ہے کہ تم انتشار کی زندگی گذارو، نہ انفرادیت حلال نہ فرقہ بندی حلال، حکومت تمہارے ہاتھ میں ہو یا نہیں ہو۔اقتدار کی باگ تمہارے ہاتھ میں ہو یا نہیں ہو، اجتماعی اور جماعتی زندگی گذارنا تم پر واجب ہے''۔

الحمد لله رب العالمين و الصلوة و السلام علی رسوله الامین و علی آله و صحبه اجمعین اما بعد

خواتین وحضرات! جس ذوق وشوق کے ساتھ آپ تین دنوں سے اس خطبہ کو سننے کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ بس اللہ کا احسان ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے آقا کے ساتھ ایک خاص تعلق اور محبت ہے۔ اور میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس خطبہ کو مفید بنائے اور ہم سب کو جناب رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کا حصہ عطا فرمائے۔

شعب ابی طالب میں بائیکاٹ

شعب ابی طالب تک تو ہم پہنچے تھے۔ ہمارے آقا اپنی نبوت کے ساتویں سال میں جب اہلِ مکہ نے بائیکاٹ کر دیا تھا۔ اپنے تمام لوگوں کے ساتھ ابو طالب کی گھاٹی میں قید تھے، بچوں کی آہ و بکا کی آوازیں مکہ کی گلیوں میں سنی جا رہی تھیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ایک دن اچھا کھانا آیا تو رونے لگے اور کہا کہ سات ساتھیوں میں سے میں ساتواں تھا کہ جب ابو طالب کی گھاٹی میں ہم قید تھے تو ہم درختوں کے پتے کھاتے تھے۔ حتی تخرقت اشداقنا۔ ہمارے دونوں گال اندر سے پھٹ پھٹ گئے تھے۔ ایک دن سوکھے چمڑے کا ٹکڑا ملا جسے ہم نے پانی میں بھگو کر نوچ نوچ کر کھایا تھا۔ یہ وہ اللہ کے بندے تھے جن کے لئے جنت واجب کر دی گئی تھی اور جو پوری کائنات انسانی کے لئے ہدایت و رہنمائی کے لئے آئے تھے۔ ان کا ایک اور صرف ایک قصور تھا کہ وہ اللہ کو ایک کیوں مان رہے تھے؟ وہ برائی کو برائی کیوں کہہ رہے تھے وہ انسانوں کے قتل سے کیوں بچ رہے تھے۔ وہ سود، جوا اور شراب سے کیوں بچ رہے تھے۔ وہ عورتوں کی عزت

وآبرو کے کیوں محافظ تھے؟ یہی ان کا گناہ تھا۔ اہلِ مکہ کو ان میں ایک ہی عیب تو نظر آتا تھا، کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کے لئے تیار نہیں تھے۔

دوستو! تین سال تک یہی عالم رہا، تین سال کی مدت کم نہیں ہوتی ہے سن ۷ نبوی سے سن ۱۰ نبوی تک ہمارے آقا اپنے ساتھیوں کے ساتھ ابو طالب کی گھاٹی میں بند تھے۔ آپ سوچ سکتے ہیں کہ عام طور پر واعظوں سے جو قصے آپ سنتے ہیں۔ میں بھی ان واقعات کو دوہرا رہا ہوں، ہاں میں اس لئے دوہراتا ہوں کہ آپ اس طرف توجہ دیں کہ وہ لوگ جن کو اس مظلوم کارواں کی مظلومیت کا احساس نہیں، جو ظلم کے شکار ان انسانوں کو لٹیرا ثابت کرنے کو تیار ہیں۔ Terrorist اور دہشت گرد ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ان سے پوچھئے کہ مکے میں وہ بہنے والے آنسو، وہ غم اور الم، وہ دکھ اور کرب اور وہ خون کے چھینٹے تمہاری نظر میں ہیں یا نہیں؟

میرے عزیز دوستو! آج حقوقِ انسانی کی بات کی جاتی ہے۔ ہیومن رائٹس کا نعرہ لگایا جاتا ہے۔ انسانی جان ومال، عزت وآبرو کی بات کی جاتی ہے۔ اقوامِ متحدہ اپنا چارٹر منظور کرتی ہے۔ اور وہ کہتی ہے کہ ضمیر کی آزادی، اظہار خیال کی آزادی اور پرسنل لبرٹی ہر شخص کا انسانی حق ہے۔ انسان کی شخصی آزادی کا نعرہ لگانے والے لوگوں کے سامنے یہ بات نہیں ہے کہ محمد عربی ﷺ اور ان کے ان جانثار رفقاء کا قصور کیا تھا؟ صرف یہ کہ ان کے دل نے ایک بات کو سچا مانا تھا کہ اللہ ایک ہے اور اس کائنات کو پیدا کرنے والا وہی تنہا ہے۔ وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچارہے تھے وہ کسی کو دکھ نہیں پہنچارہے تھے لیکن مکہ کا جبر انسانی ضمیر کی اس آزادی کو برداشت کرنے کو تیار نہیں تھا۔ مکہ کا ظالمانہ سماج اظہارِ خیال کی اس آزادی کو قبول کرنے کو تیار نہیں تھا۔ عقیدہ اور فکر کی جنگ تھی۔ جبر اور قوت کے ذریعے عقیدہ اور فکر کو دبایا جارہا تھا۔ فکر کا لفظ صحیح اور مکمل ترجمان نہیں ہے۔ محض سمجھانے کے لئے میں نے عرض کردیا ہے۔ ورنہ وہ عقیدہ جو جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا حقیقت یہ ہے کہ وہ ان کی اپنی فکر نہیں تھی۔ اللہ کے پاس سے آیا ہوا پیغام تھا۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔ لیکن اس پر آپ کو توجہ رکھنی چاہئے۔

چنانچہ جب دسویں سال اللہ نے کچھ لوگوں کے دل میں رحم پیدا کیا۔ پانچ چھ اصحاب جمع ہوئے اور انہوں نے حرم مکہ کے اندر کہا کہ ہمارے لئے بہت تکلیف کی بات ہے کہ ہم کھا رہے ہیں، پی رہے ہیں۔ اور ہماری قوم کے کچھ لوگ بھوکے مر رہے ہیں، فاقہ کر رہے ہیں، یہ معاہدہ بائیکاٹ اس لائق نہیں کہ اس کو رکھا جائے، جو کعبہ کی دیواروں پر لٹکایا گیا ہے۔ ادھر آنحضور ﷺ نے حضرت ابو طالب سے کہا کہ چچا اس کو کیڑے کھا چکے ہیں۔ صرف اللہ کا نام اس میں باقی ہے سب لوگوں نے جا کر دیکھا کہ وہ معاہدہ جو حضور ﷺ کے مقاطعہ اور بائیکاٹ کا تھا۔ سب کچھ ختم تھا صرف باسمک اللھم اتنا لفظ محفوظ تھا۔ سب لوگ باہر نکالے گئے۔ یہ سال حضور ﷺ کے لئے اگر ایک طرف خوشی کا تھا کہ اس تکلیف دہ قید سے سارے لوگ باہر نکلے تو دوسری طرف بڑے حادثہ کا بھی تھا کہ وہ چچا جو شروع سے حضور ﷺ کے پشت پناہ تھے۔ جنہوں نے حضور ﷺ کی ہر موقع پر حفاظت وحمایت کی تھی۔ ان کا اچانک انتقال ہوگیا۔ یعنی حضرت ابو طالب۔ اور چندہی دنوں کے بعد وہ بیوی جو رفیق زندگی تھیں، جو رازدار تھیں، جو سہارا تھیں جو ہر مشکل میں تسلی دینے والی تھیں وہ بھی گذر گئیں، اسی لئے اس کو "عام الحزن" (غم کا سال) کہتے ہیں۔ لیکن ان مع العسر یسرا ہر دشواری کے ساتھ سہولت بھی ہوتی ہے۔

واقعہ معراج

یہی وہ وقت ہے دوستو! جب معراج کا واقعہ پیش آیا۔ ہمارے آقا ﷺ کو اس پریشانی کے عالم میں اللہ تعالی مکہ میں بیت ام ہانی سے اٹھاتے ہیں۔ بیت المقدس لے جاتے ہیں۔ آسمانوں کی سیر کرائی جاتی ہے۔ ملاء اعلی تک پہنچائے جاتے ہیں۔ وہ ساری تفصیلات آپ کے علم میں ہیں۔ میں ان تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا۔ صرف دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ایک یہ کہ جو کچھ حضور ﷺ کو بذریعہ جبرئیل امین بتایا گیا تھا وہ حضور ﷺ کو آنکھوں سے دکھایا گیا ہے۔ ابھی قاری صاحب نے قرآن کی آیت پڑھی۔ "افتمارونہ علی مایری" اے

لوگو! ایک شخص وہ ہے جو سب کچھ دیکھ رہا ہے، تو کیا تم اس شخص سے جھگڑا کرو گے؟ تم نے دیکھا نہیں ہے وہ دیکھ رہا ہے؟ تو جو دیکھ رہا ہے کیا اس کی باتوں میں تم شک کرو گے۔ کیا تم اس سے جھگڑا کرو گے۔ قرآن نے یہ کہہ کر بتا دیا کہ حضور اقدس جناب رسول اللہ ﷺ کو جو کچھ بذریعہ وحی الٰہی بتایا گیا تھا۔ شب معراج میں وہ سب دکھایا گیا۔ غرض آنحضور ﷺ رات کو لے جائے گئے اور مکہ سے بیت المقدس پہنچے جو ہزاروں میل کی دوری پر ہے۔ وہاں انبیاء کی امامت کی، پتھر کے سوراخ میں اپنی سواری کو باندھا، تمام آسمانوں کی سیر کی، تمام نبیوں سے ملاقات ہوئی اور آخر میں اللہ سے ہدایتیں لے کر واپس لوٹے اور جب واپس لوٹے تو مکہ میں ابھی صبح نہیں ہوئی ہے یا ہونے والی ہے، بستر گرم ہے، زنجیر ہل رہی ہے۔ ایسا لگا جیسے وقت تھم گیا ہو۔

مکہ والوں میں سب سے پہلے ابوجہل سے ملاقات ہوئی۔ ابوجہل نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ کہو رات کوئی نئی بات ہوئی کہ نہیں؟ کوئی نئی کہانی تم نے گڑھی کہ نہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، مرعوب نہیں ہوئے، حق پر چلنے والا طعنوں کے سامنے مرعوب نہیں ہوتا، ایسا ایسا واقعہ میرے ساتھ پیش آیا ہے۔ اب اس نے مذاق اڑانا شروع کیا اور چاروں طرف کہنا شروع کیا کہ لو اب تو یہ راتوں رات ساری دنیا سے گھوم کر آ گئے۔ معاملہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ تک پہنچا۔ کچھ کمزور ایمان والوں کے ایمان میں تزلزل بھی پیدا ہوا۔ واقعہ بہت بڑا تھا اس کا مان لینا کچھ کھیل نہیں تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس جب لوگ گئے، ان سے واقعہ سنایا۔ انہوں نے کہا کہ کوئی اور کہے تو میں یقین نہیں کرسکتا۔ لیکن اگر حضرت محمد ﷺ نے کہا ہے تو واقعہ سچ ہے۔ جب ہم اس بات پر ایمان لے آئے ہیں کہ آسمان سے اللہ کے پاس سے ان پر وحی آتی ہے۔ تو اس پر کیوں نہیں ایمان لائیں گے کہ وہ راتوں رات یہاں اور وہاں اور پوری دنیا اور کائنات کی سیر کر آئے۔ یہی وہ وقت ہے جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کہلائے۔

اس واقعہ کے بارے میں آپ کو ایک ہی بات کہہ کر میں آگے گذرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ بظاہر یہ واقعہ عقلی اعتبار سے ناممکن ہے۔ لیکن آج کی دنیا نے اور آج کی سائنس نے کوئی

مشکل نہیں رکھا اس معاملے کو۔ پرانے فلاسفہ بڑی بحثیں کرتے تھے کہ زمین و آسمان کے درمیان کرہ نار ہے اور کرہ زمہریر ہے، جن سے کوئی ذی روح گذر نہیں سکتا۔ اتنی تیز رفتار سواری نہیں ہوسکتی جو وقت کی گردش سے زیادہ تیز ہو۔ جب ہم لوگ پڑھا کرتے تھے تو اس طرح کی بحثیں کی جاتی تھیں۔ آج تو سائنس نے بہت سی چیزیں آسان کردی ہیں سمجھنے کے لئے۔ لیکن میں آپ کو سائنس کی روشنی میں نہیں سمجھانا چاہتا۔ واقعہ معراج کو قرآن کے ایک لفظ سے سمجھانا چاہتا ہوں۔ قرآن نے کہا کہ سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ (الاسراء:۱) پاک ہے اللہ کی ذات ہر کمزوری سے، پاک ہے عجز سے، پاک ہے ہر عیب سے وہ ذات، ہر بے طاقتی اور عاجزی سے پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصی تک۔ یہ نہیں کہا کہ محمد ﷺ نے سیر کی۔ یہ نہیں کہا کہ میرے بندے نے سیر کی۔ یہ نہیں کہا کہ حضور ﷺ گئے۔ اے لوگو! اگر اللہ کے وجود پر، اس کی قدرت پر، اس کے کمال پر کسی کو ایمان ہے تو وہ شک نہیں کرسکتا۔ جو لے جانے والے کو دیکھے وہ شک نہیں کرسکتا جو صرف جانے والے کو دیکھے اس کو شک ہوسکتا ہے۔ مسئلہ جانے والے کا نہیں، مسئلہ لے جانے والے کا ہے۔ قرآن نے تمام رگیں کاٹ دی ہیں شک وشبہ کی۔

اور مزے کی بات یہ ہے کہ جب رسول ﷺ معراج میں جارہے ہیں، حالاں کہ کائنات میں کسی نبی کو یہ مقام نہیں ملا۔ لیکن جب نبی کو سب سے بڑا رتبہ دیا جارہا ہے۔ اس وقت اللہ کہتے ہیں "اپنا بندہ" اس طرف اشارہ ہے کہ جو بندگی میں جتنا جھکے گا اللہ کے ہاں رتبہ میں اتنا چڑھے گا۔ معراج میں عروج اور چڑھنے کے معنی ہیں۔ اور عبد کے معنی جھکنے والے کے ہیں، جو جتنا زیادہ جھکے گا اتنی ہی زیادہ اونچا اٹھے گا، حضور ﷺ سے بڑھ کر عبد میں اور بندگی میں کوئی کامل نہیں۔ اس لئے حضور ﷺ سے بڑھ کر عروج میں بھی کوئی کامل نہیں۔ صلی اللہ علی سیدنا محمد۔ یہ ہے واقعہ معراج کی روح۔ حقیقت یہ ہے کہ جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس کو

معراج کا واقعہ ماننے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔

طائف کے بازار میں

حضور ﷺ پر ظلم وستم کے پہاڑ اور بھی توڑے جانے لگے، طائف گئے کہ شاید طائف والے ساتھ ہو جائیں۔ طائف کے رئیسوں سے بات کی۔ طائف کے روٗسا مدد تو کیا کرتے شہر کے اوباش نوجوانوں کو پیچھے لگادیا۔ وہ گالیاں دے رہے ہیں، مذاق کر رہے ہیں، آقا کی انتہائی درجہ کی بے بسی کو دیکھو۔ پتھر مارے جارہے ہیں۔ خون بہہ کر جوتوں تک پہنچتا ہے اور جب آقا مار کھاتے کھاتے تھک کر بیٹھ جاتے ہیں تو آنے والے آکر بغل میں ہاتھ دے کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ پھر جب حضور ﷺ چند قدم چلتے ہیں، پھر پتھر مارتے ہیں۔ ذرا بے بسی کو سوچو، ایسے وقت میں کیا فرماتے ہیں وہ، مشہور دعا ہے ہمارے حضور ﷺ کی۔ یا رب الی من تکلنی ۔ رب ہمارے! کس کے حوالے کر رہے ہیں آپ مجھے۔ ایسے ظالموں کے حوالے جو کبھی ہم پر رحم نہیں کھا سکتے۔ الی من یتجھمنی ۔ دعا کا اگلا ٹکڑا عجیب ہے۔ پھر بھی اگر آپ اس پر راضی ہیں تو میں بھی راضی ہوں۔ اگر آپ اس میں خوش ہیں تو ہم بھی خوش۔ فرشتے آئے کہ حکم دیجئے۔ اللہ کا حکم ہوگیا ہے۔ پہاڑوں کو جوڑ دیا جائے اور یہ قوم پیس کر ختم کر دی جائے، لیکن دوستو! اللہ تعالیٰ نے اپنے دو نام حضور کو دیئے ہیں۔ ایک روٗف اور ایک رحیم۔ "عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین روٗف رحیم" (التوبہ:۱۲۸) حضور ﷺ میں رحمت بھی ہے اور رافت بھی ہے، شفقت بھی ہے، محبت بھی ہے، غم بھی ہے، درد بھی ہے اور انسانوں کے لئے فکرمندی بھی ہے۔ "لعلک باخع نفسک علی آثارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفا" (الکہف:٦) اے رسول ﷺ لگتا ہے کہ ان لوگوں کے غم میں جو مسلمان نہیں ہوئے، آپ گھل گھل کر اور گھٹ گھٹ کر اپنی جان دے دیں گے۔ اگر وہ لوگ اس پر ایمان نہیں لائے۔ مومن پر تو رافت ورحمت ہے ہی، غیر مومن کے لئے بھی یہ فکرمندی ہمارے آقا ﷺ کی

ہے۔فرمایا:نہیں نہیں، اہلِ طائف کو برباد نہ کرنا، نہ جانے ان میں کون اوران کی اولادمیں کون اللہ کا موحد بندہ بنے گا اورآگے اسلام کی بات لے کر چلے گا''اللھم اھد قومی''اے اللہ میری قوم کو راستہ دکھادے۔آپ ﷺ نے طائف والوں کو بھی''میری قوم'' کہا۔ابھی کفران کے اندرتھا،شرک ان کے اندرتھا اوروہ حضور ﷺ کو تکلیف پہنچارہے تھے لیکن ان کے بارے میں بھی فرمایا کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے دے۔یہ جانتے نہیں بے علم ہیں، نادانی سے یہ سب کرر ہے ہیں۔یہ آقا کی رحمت ورافت کی شان ہے!

اس طرح طائف گذرا۔اب اللہ کی رحمت جوش میں آئی۔حضور ﷺ کی تکلیفوں کی کوئی انتہا نہیں رہی۔قرآن نے تصویر کھینچی ہے کہ جب لوگ جانچ میں ڈالے گئے ایسی کڑی آزمائش میں ڈالے گئے کہ چیخ پڑے اورکہامتی نصر اللہ۔کب اللہ کی مدد آئے گی؟قوتِ برداشت جواب دے گئی۔جواب آیا الا ان نصر اللہ قریب۔گھبرائیے مت بس آچلی اللہ کی مدد۔حضور ﷺ نے میلوں میں، حج کے بازارمیں، منیٰ وعرفات میں گھوم گھوم کر اپنی بات کہی ہے۔اسی میں غالباً حضرت اسعد بن زرارہ ہیں جو ابتداء اسلام لائے۔ہر مہاجر جب مدینہ گیا ہے انہیں کے گھر میں ٹھہرا ہے۔ان کے گھر میں عورتیں نہیں تھیں۔اس لئے جتنے لوگ جاتے تھے اوران کے بیوی بچے ساتھ نہیں ہوتے۔وہیں ٹھہرتے تھے۔ان کے گھر کا نام ہی ہوگیا''بیت العزاب'' کنواروں کا گھر۔حضور ﷺ بھی جب تشریف لے گئے ہیں تو پہلے ان ہی کے گھر ٹھہرے ہیں۔

اسعد بن زرارہ حضور ﷺ سے ملے اورمسلمان ہوگئے،شاید یہ مدینے کے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام قبول کرلیا،اگلی دفعہ سات افراد آئے اوردوسرے سال ستر افراد آئے جس میں دوخواتین بھی تھیں،مدینے والے نبوت کے نام سے نامانوس نہیں تھے،یہودیوں کے ساتھ رہتے تھے۔یہودی انتظار میں بیٹھے تھے آخری نبی کے،اللہ کو انصار کے مقدر میں یہ بات ڈالنی تھی،ستر افراد نے کلمہ پڑھا۔

چھوٹی سی مسلم آبادی میں بھی اجتماعیت کا نظم

ہمارے آقا ﷺ نے اس وقت جو ایک کام کیا وہ بتاتا چلتا ہوں آپ کو، حضرت معصب بن عمیرؓ کو بھیجا کہ جاؤ تم مدینے میں رہنا۔ جو لوگ اسلام لا رہے ہیں ان کو قرآن پڑھانا اور ان کے اندر دین کی سمجھ پیدا کرنا۔ یعنی سب سے پہلا کام جو مدینہ کے لئے ہمارے آقا نے مکہ میں رہ کر کیا ہے، دو کام ہیں، ایک تو مسلمانوں میں اجتماعیت قائم کرنے کے لئے ہر قبیلہ اور ہر محلّہ کا ایک نقیب مقرر کیا ہے اور دوسرا کام یہ کیا ہے ایک مدرس اور ایک استاد بھیجا، جو ان کی تعلیم وتربیت کا فرض انجام دے۔ کاش کہ مسلمان آج اپنے لئے ان دونوں چیزوں کو اسوہ بنائے۔ کہ کوئی مسلم آبادی بغیر اجتماعی وجود کے اور بغیر امیر وسردار کے نہیں رہ سکتی۔ چھوٹے چھوٹے ان واقعات میں بھی آپ کے لئے جو عبرت کا سامان ہیں، میں خاص کر ان کو دہراتے ہوئے چلنا چاہتا ہوں۔

چنانچہ حضرت معصب بن عمیرؓ تشریف لے گئے اور بارہ نقباء حضور ﷺ نے مقرر فرمائے جو اپنے اپنے زیر اثر علاقے میں مسلمانوں کی اجتماعیت کے امین وذمہ دار تھے، پس مسلمانوں کا اجتماعی وجود لازم ہے۔ جائز نہیں کہ مسلمان بغیر امیر وسردار کے رہے، حرام ہے کہ تم انتشار کی زندگی گذارو، نہ انفرادیت حلال نہ فرقہ بندی حلال، حکومت تمہارے ہاتھ میں ہو یا نہیں ہو۔ اقتدار کی باگ تمہارے ہاتھ میں ہو یا نہیں ہو، اجتماعی اور جماعتی زندگی گذارنا تم پر واجب ہے۔ مدینہ میں اس وقت حکومت مسلمانوں کی نہیں تھی۔ مسلمانوں کو اقتدار حاصل نہیں تھا۔ لیکن مدینہ کے مسلمانوں کو بھی یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ بغیر امیر وسردار کے زندگی گذاریں۔ یہ عبرت کا سبق ہے آپ کے لئے۔ آپ انتشار کا شکار ہیں، کسی کو اپنا امیر وسردار ماننے کو تیار نہیں۔ نہ جانے کتنی پارٹیاں آپ بناتے ہیں۔

تو برائے وصل کردن آمدی

یاد رکھئے کہ مدینے میں اوس اور خزرج دونوں قبیلے کے لوگ تھے۔ دونوں ایک

دوسرے کے محارب تھے اور جنگ دونوں میں چل رہی تھی۔ لیکن حضور اقدس ﷺ نے خاندان اور برادریوں کی جنگوں کو مٹایا۔ کلمہ کی وحدت کی بنیاد پر امت میں وحدت پیدا فرمائی۔ یہ اتنی بنیادی اور اہم بات ہے کہ جس کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ تم ذات اور برادریوں کی لڑائی لڑتے ہو۔ ابھی میں انگلینڈ گیا تو وہاں تماشہ دیکھا مسلمان تو ہیں لیکن یہ ہندی ہیں، یہ بنگلہ دیشی ہیں، یہ پاکستانی ہیں، یہ وہاں انگلینڈ کے گورے ہیں، یہ حبشی ہیں، یہ عرب ہیں، یہ شامی ہیں اور یہ فلاں ہیں اور ہندوستانیوں میں پھر یہ گجراتی ہیں اور یہ فلاں ہیں، یہ فلاں ہیں۔ اور پھر گجراتیوں میں یہ سورت کے ہیں اور یہ بھروچ کے ہیں، اور سورت، وبھروچ میں بھی یہ ماٹلی والا کے ہیں اور یہ فلاں بستی کے ہیں۔ میرے عزیزو اور دوستو! اس طرح برادریوں اور علاقائی تقسیم کی وجہ سے انگلینڈ میں جہاں بڑی تعداد میں تم آباد ہو چکے ہو، تمہاری کوئی اجتماعی حیثیت برقرار نہیں۔ حالانکہ وہاں اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے کہ تم اپنی اجتماعی حیثیت پیدا کرو اور کلمہ کی وحدت کی بنیاد پر ایک ہو۔ یہاں بھی وہی لڑائی لڑتے ہیں۔ یہ شمال کا ہے اور یہ جنوب کا، یہ مشرق کا ہے اور یہ مغرب کا، یہ بہار کا ہے اور یہ بنگال کا، یہ آسام کا ہے، یہ یوپی کا، یہ کرناٹک اور کیرالا کا ہے اور یہ تامل ناڈو کا اور یہ آندھرا کا ہے، لوگو! امت جسد واحد ہے۔ اس کو تفریق کی قینچیوں سے کاٹو مت۔ ہمارے حضور ﷺ امت کو ایک بنانے اور بکھرے ہوئے لوگوں کو جوڑنے آئے۔ ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے آئے، اور ہم نے ٹکڑے کرنے کا سبق سیکھا ہے۔ نہ جانے کتنی تنظیمیں کن کن ناموں پر ہیں؟ آج میرٹھ میں قریشی اور انصاری کی لڑائی تم نے کی۔ وہی میرٹھ جہاں ہاشم پورہ اور ملیانہ موجود ہے۔ مگر ہاشم پورہ اور ملیانہ سے عبرت نہیں پکڑنے والوں نے ابھی ابھی ایک کروڑ روپے مالیت کا نقصان کیا۔ اس جھگڑے میں کہ یہ قریشی ہیں اور یہ انصاری ہیں، اس کے بعد بھی تم چاہتے ہو کہ اللہ کی رحمت تم پر اترے۔ اس کے بعد بھی تم چاہتے ہو کہ تم پر وہ چیزیں نازل ہوں جو جناب رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے لئے وعدہ کی گئی ہیں۔ کبھی اپنی طرف بھی جھانک کر دیکھو۔

وہی مدینہ جہاں اوس وخزرج دست وگریباں تھے۔ وہاں کلمہ لا الہ الا اللہ کی وحدت نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا اور ایک امت اور ایک جماعت بنادیا اور جناب رسول اللہ ﷺ اس کے لئے اس قدر فکر مند تھے کہ ابھی حضور ﷺ گئے بھی نہیں ہیں، نئے نئے یہ لوگ اسلام لائے ہیں، لیکن دونوں کام حضور ﷺ نے کر دیئے۔ ایک تو یہ کہ امت اگر علم سے دور رہی، امت اگر قرآن سے دور رہی، امت اگر تفقہ فی الدین سے دور رہی، تو امت کبھی امت نہیں بن سکے گی۔ دوسرے یہ کہ امت کو اجتماعیت کے شیرازہ میں باندھ نہیں دیا گیا تو یہ ٹوٹی پھوٹی بکھری ہوئی امت کبھی امت نہیں بن سکتی اور کبھی اپنا فرض ادا نہیں کرسکتی۔

بہر حال اس طرح آہستہ آہستہ مکہ سے لوگ مدینہ جانا شروع ہوئے۔ آج یہ گئے، کل وہ گئے، پرسوں وہ گئے، جانا بھی آسان نہیں تھا۔ عجیب مصیبت تھی، مکہ کے لوگ آسانی سے وطن بھی نہیں چھوڑنے دے رہے تھے۔ آزادی کے ساتھ اپنے عقیدہ پر رہنے کی بھی اجازت نہیں۔ اور اس کی بھی اجازت نہیں کہ تم گھر چھوڑ دو۔ ایک خاتون ہیں ام سلمہ جو بعد کو ام المومنین بنیں۔ حضرت ابو سلمہ ان کے شوہر ہیں۔ ایک بچہ ان کا ہے جب اپنی بیوی اور بچہ کو لے کر مکہ سے مدینہ جانے لگتے ہیں تو ام سلمہ کے خاندان والے بھی آگئے اور ابو سلمہ کے خاندان والے بھی آگئے، ابو سلمہ سے کہا کہ تم کو جانا ہو تو جاؤ۔ یہ بچہ تو میرے خاندان کا ہے ہم اس کو نہیں جانے دیں گے اور ام سلمہ کے خاندان والے آئے اور کہا کہ یہ تو ہمارے خاندان کی بیٹی ہے ہم اس کو نہیں جانے دیں گے۔ چنانچہ زبردستی بچہ چھینا گیا اور زبردستی بیوی چھینی گئی، ابو سلمہ نے کہا کہ میرے لئے دونوں راستے ہیں، لیکن میں اپنی بیوی اور اولاد کی محبت کو اپنے دین کی محبت پر قربان کرتا ہوں اور میں ہجرت کروں گا۔ بیوی کا حال یہ ہے کہ روزانہ مکے کے کنارے آ کر زار وقطار روتی ہیں۔ کافی عرصہ گذر گیا۔ پھر اللہ نے اس کا موقعہ دیا کہ وہ بمشکل تمام کسی طرح چھپ کر مدینہ آتی ہیں۔

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ہجرت کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ وہ دن بھی آیا جب طے ہوا کہ حضور ﷺ کو

جاتا ہے۔ اب کفر اپنی سازش میں اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ دارالندوہ میں بیٹھک ہوئی اور یہ طے کیا گیا کہ ہر خاندان کے اہم افراد مل کر ننگی تلوار کے ساتھ جا کر نبی ﷺ کے مکان کے اردگرد بیٹھ جائیں اور آج رات آپ کو ختم کر دیں۔ اس چراغ ہی کو بجھا دیں۔ لیکن اللہ کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ ''پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا'' نبی ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے یہاں گئے اور کہا کہ مجھے حکم ہو گیا ہے کہ میں اس شہر کو چھوڑ دوں، حضرت ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ ''الصحبہ'' مجھے ساتھ رکھئے، میرے آقا نے فرمایا کہ ہاں۔ جیسے ہی حضور ﷺ نے ہاں کہا، ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلک آئے۔ دو اونٹنیاں تیار رکھی تھیں، انہوں نے کہا کہ ایک آپ کے لئے ایک میرے لئے یا رسول اللہ ﷺ! رات کے وقت آپ حکم الٰہی کے مطابق نکلے۔ چاروں طرف سے ننگی تلواروں نے گھیر رکھا ہے، سامنے سے نکلو، مٹی ہاتھوں میں لے لو اور اس طرح پھینکو کہ ہر ایک کے سر پر پڑے۔ چپ چاپ بھی نہیں نکلنا، عجب اللہ کی آزمائش ہے اور اللہ پر اعتماد و توکل کی انتہا ہے۔ نبی کے ایمان کی جانچ ہے، ننگے قدم، کسی طرح دبے قدم نکل جائیں۔ نہیں، اس طرح نکلیں کہ سب کے سروں پر خاک پڑی ہوئی ہو۔ حضور ﷺ نکلے اس شان کے ساتھ کہ سورہ یسین کی ابتدائی آیتیں پڑھ رہے تھے۔ اللہ نے ان کی آنکھوں کو اندھا کیا۔ کسی نے دیکھا نہیں۔

کچھ دیر کے بعد کوئی آنے والا آیا، کہا کہ تم کیا سوچ رہے ہو؟ وہ تو نکل گئے۔ جھانک کر کواڑ سے دیکھا، تو دیکھا کہ حضور ﷺ اپنی چادر اوڑھے ہوئے لیٹے ہیں، بستر پر حضور ﷺ تو تھے نہیں، وہ سیدنا علیؓ تھے، حضور ﷺ نے سیدنا علیؓ کو اپنی جگہ لٹا دیا تھا، اپنی چادر اوڑھا کر لٹا دیا تھا اور کہا تھا کہ تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا انشاء اللہ۔ اور علیؓ بھی ویسے ہی بہادر، آرام سے لیٹ گئے۔ لوگوں نے کہا کہ غلط آواز ہے، آرام سے بیٹھو وہ تو سوئے ہوئے ہیں ابھی کمرے میں، لیکن جب صبح ہوئی، سیدنا علی نے کواڑ کھولی تو دیکھا کہ یہ تو علیؓ ہیں حضور ﷺ نہیں ہیں۔ اور علیؓ کو کیوں روکا تھا حضور ﷺ نے آپ کے لئے بھی سبق ہے۔ ذرا سا اگر کسی دوست سے جھگڑا ہو گیا اور اس کے پانچ ہزار روپئے آپ کے پاس ہوں۔ اب تو آپ کو واپس ہرگز نہیں کرنا ہے۔

یہ ہماری امانت و دیانت کا حال ہے۔ ہمارے آقا کا نمونہ یہ ہے کہ وہ سارے دشمنان مکہ جو حضور ﷺ کو دشمن جانتے، اپنی امانتیں حضور ﷺ کے پاس رکھتے ۔ رات کو جب حضور ﷺ چلنے لگے تو سیدنا علیؓ کو ساری امانتوں کی پوٹلیاں حوالے کیں اور کہا کہ تم سب کو حوالے کر کے آنا۔ سیدنا علیؓ نے یہی کیا۔

اللہ ہمارے ساتھ ہے!

حضور ﷺ غار ثور پہ تشریف لے گئے۔ آپ میں سے جن کو اللہ نے موقعہ دیا ہوگا، انہوں نے دیکھا ہوگا کہ بیضوی انداز کی ایک چٹان ہے، نیچے کچھ کھلی ہوئی، میں گیا تو لیٹ کر جانا پڑا۔ اور اندر جایئے تو لیٹنے کی صرف ایک آدمی کی جگہ ہے، حضور ﷺ وہاں تشریف لے گئے۔ بخاری کی روایت کے مطابق دشمن تلاش کرتے کرتے اتنا قریب آیا کہ جھانک کے دیکھ لیتا تو حضور ﷺ کو دیکھ لیتا، سیدنا ابوبکرؓ پریشان ہوئے۔ اپنے لئے نہیں حضور ﷺ کے لئے۔ یا رسول اللہ لگتا ہے کہ اب ہمیں دیکھ لیا جائے گا۔ آپ نے وہی قرآن کی آیت پڑھی۔ "لاتحزن ان اللہ معنا"۔ اس میں بھی ہمارے لئے عبرت ہے۔ حالات سے گھبرا جاتے ہو۔ لوگو! ذرا ذرا سی پریشانیوں میں پریشان ہوجاتے ہو۔ کیسی نازک گھڑی ہے؟ دشمن تلوار لئے کھڑا ہے۔ جان لینے کو ہے، مشکل سے دو تین فٹ کے فاصلے پر کھڑا ہے۔ ایسے وقت میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ابوبکرؓ ان تین ساتھیوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے جن کا تیسرا ساتھی اللہ ہو؟ ماتقول فی ثلثة ثالثهم الله۔ لا تحزن ان الله معنا۔ غم نہ کرو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اللہ پر انتہائی درجہ اعتماد اور دنیا کی ساری مادی قوتوں کا استحقار کہ کائنات میں کوئی چیز بگاڑ نہیں سکتی۔ اور ہم کو ضرر نہیں پہنچا سکتی اگر اللہ کا حکم نہ ہو۔ یہ ہے خلاصہ "اشھد ان لا الہ الا اللہ" کا، اشھد ان لا الہ الا اللہ کا ثبوت دیکھنا چاہتے ہو تو کہو "اشھد ان محمدا رسول اللہ" کلمہ کا دوسرا ٹکڑا کلمہ کے پہلے ٹکڑے کی دلیل ہے۔ لوگو! کلمہ کا پہلا ٹکڑا یہ کہتا ہے کہ اللہ جس کو

بنانا چاہے اس کو کوئی نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ چاہے تو آمنہ کے یتیم کو، سڑکوں پر لوگوں سے گالیاں سننے والے اور مار کھانے والے کو، مظلوم اور بے سہارا کو، مفلس اور فقیر کو پوری کائنات انسانی میں سب سے افضل ترین بنا کر قیامت تک اس کا حکم چلوا دے۔ الم نشرح لک صدرک ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظهرک ورفعنالک ذکرک۔ (الشرح: ۴-۱) رفع ذکر کی کہانی پر کوئی بصیرت وعبرت کی نگاہ ڈالے تو اس کے ایمان لانے کے لئے کافی ہو جائے کہ کن حالات میں یہ بات کہی گئی تھی اور آج کس طرح حضور ﷺ کے نام کا ڈنکا بجتا ہے؟ قرآن نے کہا تھا کہ کوئی تیرا بگاڑ نہیں سکتا جب تک اللہ نہ چاہے۔ بس چاروں طرف قاتل گھیرے بیٹھے ہیں، لیکن نہیں بگاڑ سکے۔ یہ سبق ہے جناب رسول اللہ ﷺ کے واقعہ ہجرت میں۔

ایک نکتہ غور وفکر

یہیں پر پھر اس بات کو دہرا دوں جو پہلے دن میں نے عرض کیا تھا۔ اللہ نے جہاں اتنے بڑے بڑے معجزات حضور ﷺ کے ہاتھوں پر دکھائے۔ اے میرے عزیزو! آسان تھا کہ حضور ﷺ کے لئے زمین لپیٹ دی جاتی، اب جو راتوں رات حضور ﷺ کو مکہ سے بیت المقدس پہنچا سکتا ہے کیا وہ مکہ سے مدینہ نہیں پہنچا سکتا تھا؟ مگر سات دن تک مسلسل عرب کے تپتے ہوئے ریگزار میں تیز دھوپ میں چلنے والا یہ مسافر، طرح طرح کی تکلیفوں سے گذرنے والا یہ مسافر، اتنی مشقت کے بعد مدینہ پہنچتا ہے، راستہ کی بھوک اور پیاس اور تکلیفوں کے اور دشمنوں کے خطرے کے ساتھ ساتھ۔ اللہ نے یہ نہیں کیا۔ کیوں کہ وہ دین میں مشقت اٹھانے کا مزاج جو اسوہ نبوت سے ملنا تھا وہ اس طرح نہیں ملتا۔ دراصل حضور ﷺ کو ان تکلیفوں سے گذرنا پڑا، ہم کو اور تم کو سکھانے کے لئے، کوئی وجہ نہیں تھی کہ حضور ﷺ اتنی مصیبت اٹھاتے۔ لیکن اس میں امت کے لئے عبرت کا سامان تھا۔ امت کے لئے درس عبرت تھا، امت کے لئے سبق تھا کہ اے امت کے افراد: یاد رکھنا کہ اللہ کی رضا کے حصول کے لئے مشقتوں اور دشواریوں سے گذرنا ہے۔ جب

نبی گذرے تو تم کیوں نہیں گذرو گے۔"صلی اللہ علی سیدنا محمد"۔

مدینہ میں طلوع بدر

مدینہ میں روز انتظار ہے۔صبح صبح سارے مدینہ کی آبادی باہر نکل آتی ہے، اب آئیں گے، تب آئیں گے اور دیکھتے ہیں گرد وغبار اڑا کہ نہیں، اور جب سورج تیز ہوتا ہے، دوپہر کڑی ہوتی ہے، آہستہ آہستہ لوگ سائے میں چلے جاتے ہیں، وہ دن بھی وہی تھا، کئی دن کے انتظار کے تھکے ماندے لوگ جب دوپہر کا وقت گذرا تو اپنے گھروں کی طرف واپس ہوئے۔ اتنے میں ایک آواز آئی، ایک یہودی چیخ کر بولا، اے مدینہ والو! دوڑو تمہارا مقصد تم تک پہنچ گیا ہے، حضور ﷺ تشریف لائے اس شان کے ساتھ کہ حضور ﷺ ہیں، حضور ﷺ کے ساتھ ابوبکر صدیقؓ ہیں، اہل مدینہ نے کبھی حضور ﷺ کو دیکھا نہیں تھا۔ پریشان تھے کہ ان میں سے کون ہیں حضور ﷺ۔ سب کھڑے سلام تو کر رہے ہیں لیکن حیران تھے کہ حضور ﷺ کون ہیں؟ یہاں تک کہ جب دھوپ پڑنے لگی تو سیدنا ابوبکرؓ نے اپنی چادر لی اور حضور ﷺ کے سر پر سایہ کیا تا کہ دھوپ نہ پڑے اور یہی وہ لمحہ تھا کہ اہل مدینہ نے پہچانا کہ اچھا یہ ہیں ہمارے آقا، اور یہ ہیں ان کے رفیق کار! (صلی اللہ علی سیدنا محمدؐ)

پہلا کام یہ ہوا کہ مسجد قبا کی تعمیر کی۔ پھر چلے اور بنو سالم میں جمعہ پڑھا، سب نے اپنے یہاں روکنا چاہا۔ فرمایا: انھا مامورۃ میری اونٹنی کو اللہ کا حکم ملا ہوا ہے۔ یہ خود جہاں ٹھہرے گی ٹھہرے گی۔ سہل سہیل کے مربد یعنی ان کے کھلیان پر جا کے ٹھہری۔ حضور ﷺ اترے اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے ہاں ٹھہرے۔ سامنے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا مکان واقع تھا، حضرت ابو ایوبؓ نے کہا کہ یا رسول اللہؐ! مجھے بڑا حجاب لگتا ہے کہ میں اوپر کی منزل میں رہوں، آپ نیچے کی منزل میں رہیں، فرمایا ہمارے آقا نے۔ ابو ایوب ٹھیک تو ہے لیکن میرے پاس ہر وقت لوگوں کا آنا جانا ہے میں اوپر ٹھہروں گا تو لوگوں کو زحمت ہوگی۔ اس لئے کوئی حرج نہیں آپ

اوپر رہیں اور میں نیچے رہتا ہوں۔ آداب بھی سکھاتے جا رہے ہیں۔ ہمارے آقا ﷺ ہر قدم پر۔ مدینہ میں حضور ﷺ کا قیام ہوا۔ سب سے پہلے مسجد نبوی بنی۔ حضور ﷺ بھی پتھر اٹھا رہے ہیں۔ صحابی کہتے ہیں کہ آپ چھوڑ دیں ہم اٹھالیں گے۔ فرمایا کہ نہیں نہیں یہ نہیں ہوسکتا۔ میں بھی تمہارے ساتھ شریک رہوں گا۔ اسی موقع پر کچھ ارشادِ زبانِ مبارک پر جاری تھے۔ مسجد نبوی بنی۔ نبی نے اپنا گھر پہلے نہیں بنایا، نبی نے مسجد بنائی۔ کوئی بھی مسلم کالونی جب آباد ہو تو پہلے فکر کرنی چاہئے کہ وہاں مسجد بنے۔ پھر مسلمانوں کا گھر بنے۔ اس لئے کہ مسلم آبادی کی پہچان اور شناخت اور اس کی مرکزیت مسجد سے قائم ہوتی ہے۔

پہلا معرکۂ حق

مدینہ میں اسلام پھیلنے لگا۔ یہاں تک کہ سن ۲ ھ آیا۔ بدر کی جنگ ہوئی۔ بدر میں حضور ﷺ کے لئے چھپر ڈالا گیا۔ حضور ﷺ اس چھپر (عریش) کے نیچے تشریف فرما ہیں۔ ابوبکر صدیقؓ پیچھے ہیں۔ ۳۱۳ کی پونجی سامنے ہے۔ ادھر ایک ہزار کا قافلہ سامنے ہے۔ بہت لوگوں نے ابوجہل کو بھی سمجھایا کہ واپس چلو۔ سب تیار ہوگئے تھے۔ مگر ابوجہل نے کہا کہ نہیں ہم نہیں چلیں گے۔ ہم تو جشن کریں گے۔ اسی میں ایک محبت کی کہانی بھی آپ کو سنا دوں۔ جب صفیں مسلمانوں کی لگ گئیں۔ ادھر کفار کی لگ گئیں۔ حضور ﷺ نے ہر صف میں گھوم کر صفوں کو سیدھا کیا۔ ایک صحابی ذرا صف سے آگے نکلے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ نے اپنے نیزے کی انی ان کے پیٹ کو چبھائی اور کہا کہ پیچھے ہٹو، وہ بھی عجیب و غریب شخص تھے۔ انہوں نے کہا کہ اچھا آپ نے میرے پیٹ پر نیزہ لگایا۔ مجھے تکلیف پہنچی، میں تو آپ سے قصاص لوں گا، مجھے قصاص دیجئے۔ دو باتیں معلوم ہوئیں کہ امت کا ہر فرد اسلامی قوانین کے بارے میں اتنا باشعور و حساس اور جانکار تھا اور ضمیر اس کا اتنا زندہ تھا کہ وہ بڑی سے بڑی شخصیت کے سامنے بھی مرعوب ہونے کو تیار نہیں تھا۔ حق کا مطالبہ کرسکتا تھا۔ تم خوشامدوں میں لگے ہوئے ہو، حکومتوں اور اصحاب اقتدار

کے کاسہ لیس ہو۔لگتا ہے کہ تمہارے بس میں ہوتو تم ان کرسی اور اقتدار پر بیٹھنے والوں کوخدا بنادو (معاذ اللہ) بہر حال صحابی نے کہا کہ آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے ۔ میں اس کا بدلہ لوں گا انتقام لوں گا۔حضور ﷺ نے کیا کیا؟ حضور ﷺ نے سینہ کھول دیا، کہا کہ لو انتقام لے لو ''صلی اللہ علی سیدنا محمد'' وہ آگے بڑھے اور لپٹ کر حضور ﷺ کے سینہ کو بوسہ دینے لگے۔حضور ﷺ نے کہا یہ کیا کر رہے ہو؟ کہا: یا رسول اللہ ﷺ! جنگ کا میدان گرم ہے، پتہ نہیں شاید میں شہید ہو جاؤں ۔ممکن ہے یہ زندگی کی آخری سانس ہو۔میرا جی چاہا کہ اس بہانہ مرنے سے پہلے میری جلد آپ کی جلد کو مس کر جائے، ایسا بہانہ نکالا ان صحابی نے کہ حضور ﷺ اس سے تو انکار نہیں کر سکتے تھے۔

آپ ﷺ نے مجاہدین کی صفیں آراستہ کیں اور گریہ وزاری کے ساتھ مصروف دعا ہو گئے۔حضرت ابوبکر صدیقؓ کہتے ہیں، زار وقطار روتے تھے اور بڑے ناز کے ساتھ کہہ رہے تھے (دونوں باتوں میں فرق دیکھو گے، بدر میں اور حنین میں) حضور اقدس ﷺ نے اس وقت جو دعا کی ہے سنو کیا دعا ہے؟ اے اللہ میں اپنی آخری پونجی لے کر آ گیا ہوں (الفاظ یہ نہیں ہیں مگر منشاء نبوت یہی ہے، اگر یہ نہیں رہے تو لن تعبد فی الارض۔اے اللہ اس زمین پر آپ کی عبادت نہیں ہو سکے گی) کیونکہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تھا۔اس لئے جو پونجی تھی حضور ﷺ کی پونجی تھی ۔اور حضور ﷺ کے بعد معرفت الٰہی اور اللہ کی بندگی کا دوسرا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ اس لئے نبی پورے اعتماد کے ساتھ کہتے ہیں کہ اگر آپ نے اس پونجی کی حفاظت نہیں فرمادی تو اب کوئی اس دنیا میں آپ کی بندگی کرنے والا نہیں رہے گا۔ جب حضور ﷺ بار بار جوش میں دعا مانگتے تو چادر جو جسم اقدس پر تھی کاندھوں سے گر جاتی ۔حضرت ابوبکر صدیقؓ کھڑے چادر کو اٹھا اٹھا کر حضور ﷺ کے بدن پر ڈال رہے ہیں۔آخر میں سیدنا ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ ! بہت ہوا۔اللہ آپ کو مایوس نہیں کرے گا۔ جنگ چھڑی جو ہوا سو ہوا،

سب آپ جانتے ہیں ۔ مالِ غنیمت کا مسئلہ بھی آیا، اس کی تقسیم کا اصول اترا۔ یہ بدر کا واقعہ (جو دراصل اسلامی تاریخ کا سب سے اہم ترین واقعہ ہے) رمضان کی ۱۷ر تاریخ اور جمعہ کا دن ہجرت کے دوسرے سال پیش آیا۔ یہاں پر نبی جھکا جھکا ہوا ہے۔ محتاط ہے۔ گر رہا ہے اور اللہ کے سامنے گڑگڑا رہا ہے۔

اب دوسرا رنگ حنین میں دیکھئے قرآن کہتا ہے۔ "ویوم حنین إذا اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا"۔ (التوبہ:۲۵) اور حنین کے دن کو بھی نہیں بھولنے گا کہ جس دن تم لوگوں کو تمہاری گنتی کی زیادتی نے عجب میں ڈال دیا تھا۔ مگر تمہاری گنتی تمہارے کام نہیں آئی۔ دونوں واقعہ یاد رکھئے گا۔ یہاں تعداد کم ہے، بدر کا فاتح زار وقطار رورہا ہے اور گریہ وزاری کے ساتھ مالک کے سامنے سر جھکا رہا ہے۔ وہاں اس کی بہت بڑی تعداد ہے۔ شکست ہوتی ہے۔ فوج نے ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ نبی میدان جنگ میں کھڑا ہوا ہے۔ آج ایک ہاری ہوئی فوج کا سپہ سالار میدان نہیں چھوڑتا۔ آج نعرہ لگاتا ہے۔ "انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب" میں نبی ہوں، جھوٹا نہیں ہوں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ وہ جرنیل جس نے بدر کو فتح کیا تھا۔ فتح وکامرانی کے بعد مالک کے سامنے سربسجود ہے اور آج جب کہ وہ بظاہر ہارا ہوا ہے، ایسے وقت میں وہ جرنیل بھاگنے کے بجائے، ہمت توڑنے کے بجائے کوہ استقامت بنا ہوا ہے۔

فتح نے مغرور نہیں کیا اور حنین کی شکست نے مایوس اور بزدل نہیں بنایا۔ یہ سبق ہے تمہارے لئے، مشکلات دونوں ہوسکتی ہیں، کبھی جیتو گے کبھی ہارو گے۔ لیکن جیت میں تکبر کا شکار مت ہوجانا اور کبھی ہار پر مایوسی اور ناامیدی کا شکار نہ ہوجانا۔ افراد اور قوموں کی زندگی میں یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے۔ بہادر اور مومن وہ ہے جو فتح کے وقت بھی اللہ کے سامنے سر جھکانے والے ہوں اور جو کسی شکست اور ہار کے وقت بھی یہ سمجھے کہ یہ ہار عارضی ہے۔ ہم نے بازی ہاری ہے۔ ہم نے جنگ نہیں ہاری ہے۔ مایوس نہ ہوں اور ہمت قائم رکھیں۔

معرکہ احد

احد میں جو ہوا آپ کو معلوم ہے۔ جنہوں نے "جبل الرماۃ" کو دیکھا ہے وہ حضور ﷺ کی زبردست سپہ سالاری کی داد دیں گے۔ مجھے الحمدللہ دیکھنے کا موقع ملا۔ لوگ شہید ہوئے، خود حضور ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے۔ خود کی گرہ گھس گئی اور حضرت ابو طلحہؓ نے غالباً اپنے دانتوں سے اس کو نکالنا چاہا تو نکالا، لیکن دانت بھی ان کے نکل گئے۔ کیسے مبارک تھے وہ دانت لوگو! جو حضور ﷺ کے چہرہ اقدس سے زخم کو صاف کرنے کے لئے اپنی جگہ چھوڑ کر چلے گئے۔

ایک واقعہ آپ کو چھوٹا سا سناتا ہوں۔ حضرت نضر بن حارثؓ کی بات یاد دلاتا ہوں، نضر بن حارثؓ کا ایک عجیب کردار ہے۔ احد کی لڑائی میں جب لوگ ہوش وحواس کھو چکے ہیں، دشمنوں نے اعلان کر دیا کہ حضور ﷺ شہید کر دیئے گئے، نضر بن حارثؓ دریافت کرتے ہیں، تم لوگ کیوں اس طرح کھڑے ہو؟ کہا گیا کہ حضور ﷺ شہید کر دیئے گئے۔ کہا کہ اگر حضور ﷺ شہید کر دیئے گئے تو ہم کو جینے کا کیا حق ہے؟ چلو ہم بھی شہید ہوں۔ اس طرح انہوں نے مجمع کا رخ موڑا۔ اگر حضور ﷺ شہید ہوئے ہوں تو ہمیں زندہ رہنے کا کیا حق ہے؟ ان کا ایک جملہ بڑا عظیم ہے کہ "اگر محمد شہید کئے گئے تو کئے جائیں، ربِ محمد شہید نہیں ہوا"۔ "صلی اللہ علی سیدنا محمد"۔ اس بات نے پھر دوبارہ جنگ کی کایا پلٹ دی۔

غزوۂ خندق اور اس کے بعد

خندق میں تمام مخالف قوتیں برسر پیکار تھیں۔ اندر سے بنو قریظہ کی سازش تھی اور باہر سے حضور ﷺ کے الفاظ میں ایک ترکش میں ساری مخالف قوتوں کے تیر آ گئے تھے، اللہ نے وہاں بھی کامیابی عطا فرمائی۔ خیبر فتح ہوا۔ حدیبیہ کی صلح ہوئی جس کو آج بڑے غلط معنی پہنائے جا رہے ہیں۔ جو لوگ حدیبیہ کی صلح کا بہت ذکر کرتے ہیں وہ وہی حدیبیہ کے میدان میں بیعت

الرضوان کو بھول جاتے ہیں جہاں لوگوں نے اپنی جان دینے کا عہد کیا تھا۔ حدیبیہ کی صلح نے ملاقاتوں اور ملنے اور جلنے کا دروازہ کھول دیا۔ بے شک اس میں ہمارے لئے سبق ہے کہ اسلام خود ایک قوت ہے۔

اسلام کے خلاف گہری سازش

آج بھی سازشیں ہورہی ہیں کہ جس طرح ہو اسلام کے ساتھ ایسی صورت کرو کہ لوگ مسلمان سن کر سمجھیں دہشت گرد ہیں۔ یہ اسلام پر دہشت گردی کا لیبل لگانے کی جو سازش ہے وہ اس لئے کہ آج جس تیزی سے اسلام مغرب میں پھیل رہا ہے۔ اگر اسلام کی تصویر بگاڑی نہیں جاتی تو مغرب کی اس مایوس انسانیت کو سوائے دامانِ محمدی کے کہیں پناہ ملنے والی نہیں ہے۔ ''**صلی اللہ علی سید نا محمد**''۔

وہ مایوس انسان جو گھر سے مایوس ہے، بیوی بچوں سے مایوس ہے، جس کے پاس عزت و آبرو کا کوئی تصور نہیں، جس کے یہاں شادی کا کوئی تصور نہیں، جس کے یہاں فیملی لائف کا کوئی تصور نہیں، وہ جو دن اور رات صرف کمانے کی دھن میں مرا جارہا ہو، پریشان ہے کہ کمائی ہوئی دولت کہاں خرچ کرے، یہی بے چینی ان کو تیزی سے منشیات کے کلچر کی طرف لے جارہی ہے۔ میرے عزیزو اور دوستو! ان کے لئے کوئی راستہ نہیں سوائے اس کے کہ وہ چلیں سیدھے مدینہ منورہ اور ہمارے آقا کے قدموں میں سر رکھ کر کہیں یا رسول اللہ! آپ ہم کو راستہ دکھا دیجئے اور حضور ﷺ ان کو اٹھا کر کلیجے سے لگالیں کہ تو میرا غیر نہیں ہے، تیرے ہی لئے تو میں آیا ہوں۔ صلی اللہ علی سیدنا محمد۔

فتح مکہ

مکہ میں بھی رسول اللہ ﷺ نے اعلان کردیا کہ لوگو! پریشان مت ہو۔ تو نے مجھے گالیاں دی تھیں۔ تم نے میرے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے۔ تم نے ہماری پیٹھ پر اوجھڑی ڈالی تھی،

تم نے ہمارے گھر میں غلاظت ڈالی تھی۔تم نے ہمارے ساتھیوں کو پتھریلی سڑکوں پر گھسیٹا تھا،تم نے سب کچھ کیا لیکن جاؤتم سب جاؤ۔ میں تم سے وہی کہوں گا جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔یعنی نہ صرف یہ کہ میں تم سے انتقام نہیں لوں گا، نہ صرف یہ کہ میں تم کو سزا نہ دوں گا بلکہ میں تم سب کوملامت بھی نہیں کروں گا۔"لا تثرب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء" جاؤتم کوتمہارے پچھلے کاموں پر ملامت بھی نہیں کی جائے گی۔جاؤزبان سے بھی تم کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔تم سب آزاد ہو۔ یہ اعلان کیا جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے۔میرے عزیزواوردوستو!اس طرح مکہ فتح ہوا۔اور پتہ نہیں کتنے کتنے واقعات اس بیچ میں اور پیش آئے۔

پہلی اسلامی ریاست کے خدوخال

ایک بار پھر میں آپ کو واقعہ ہجرت کی طرف لے جانا چاہتا ہوں۔مدینہ میں جب حضور ﷺ تشریف لے آئے تو مدینہ میں بنواوس کے لوگ تھے۔بنوخزرج کے لوگ تھے۔بنو قریظہ تھے۔بنوقینقاع تھے اور بنونضیر اور بنوعوف وغیرہ تھے، کچھ عرب مشرک تھے اور کچھ یہودی تھے۔یہودیوں کی کوٹھیاں تھیں۔وہ عربوں کا استحصال کرتے تھے، ان کو جنگ میں مشغول رکھتے تھے،ہتھیار دیتے تھے اور ہتھیاروں کے بدلے میں ان کی محنت کی کمائی سمیٹ لے جاتے تھے۔ یہ سودخور مہاجنوں کی کوٹھیاں تھیں۔جب ہمارے آقا تشریف لائے تو پہلا کام جو کیا وہ تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔حضور ﷺ نے ان تمام قبائل کے ساتھ پہلے معاہدہ کیا، وہ معاہدہ تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے اور بہت سے معاہدات کا مخطوطہ بھی مل گیا ہے اور حدیث کی صداقت کی دلیل ہے کہ جو ٹیکسٹ اور متن ہم نے حدیث کی کتابوں میں پڑھے ہیں، جس کو روایت کے ذریعہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔آج جو مخطوطات ملے ہیں ان کی عبارت اوران صحابہ اور محدثین کی کی ہوئی روایت کے الفاظ یکساں ہیں۔ یہ بھی معجزہ ہے ہمارے آقا کا۔ڈاکٹر حمید اللہ کو اللہ جزائے خیر دے۔ انہوں نے بڑی محنت کی اور

''الوثائق السیاسیة'' کے نام سے ان معاہدات کو مرتب کر دیا ہے اور کئی مصنفین نے بعد کو بڑی محنت کی اور اس پر کام کیا ہے۔ مخطوطات کی تصویریں بھی دی ہیں۔ ان معاہدات میں حضور ﷺ نے جو اصول دیا ہے۔ ہمارے لئے آج کے حالات میں ان کی بڑی اہمیت ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے مذہب اور عقیدہ پر زندہ رہے گا۔ کوئی کسی کو جبر کر کے مذہب نہیں بدلے گا، جو ان کے مذہبی شعائر ہیں ان کو دور کرتے رہیں گے۔ باہر سے اگر کوئی خطرہ ہوگا تو ہم سب مل کر اس کا دفاع کریں گے۔ یہ متحدہ قوت باہر سے ہونے والے حملے کا مشترک دفاع کرے گی۔

اس کی ساری دفعات پڑھنے کے لائق ہیں۔ ایک شخص جس نے کبھی کسی استاد کے سامنے زانوئے ادب نہیں تہہ کیا، مدرسہ نہیں دیکھا، کالج نہیں دیکھا، یونیورسٹی نہیں دیکھی، بین الاقوامی قوانین کی تعلیم حاصل نہیں کی، جو کبھی بادشاہی خاندان کا نہیں تھا، جو حکمران نہیں تھا اور اتنی مشکلات و مصائب سے گذر کر مدینہ پہنچتا ہے تو پہلا اقدام ایک دستوری ریاست کے قیام کا کرتا ہے۔ جس دستوری ریاست کے بسنے والے سبھی شہریوں کو زندگی کے برابر حقوق ہوں گے۔ ان کے مذاہب اور شعائر مذاہب کا مکمل تحفظ ہوگا۔ آزادی کے ساتھ ایک ساتھ جینے کا حق ہوگا اور باہر سے آنے والے خطروں کا مشترک دفاع کریں گے۔ اس کا پورا سسٹم بناتا ہے۔ یہ معجزہ ہے نبی ﷺ کا۔ اللھم صلی علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم کما تحب وترضی علد ماتحب وترضی۔

یہ معاہدات نبوی خود سیرت رسول اللہ ﷺ کا ایک بہت اہم ترین حصہ ہیں۔ یہاں سے مدینہ کے اسٹیٹ اور اسلام کے سیاسی نظام کا آغاز ہوتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے کبھی بھی کسی دفعہ کی خلاف ورزی نہیں کی۔ ہاں یہودیوں نے سازشیں کیں، وعدے توڑے، عہد شکنی کی، تکلیفوں میں ڈالا، حضور ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ عرب کے مختلف قبائل کو حضور ﷺ کے خلاف بھڑکایا، باہر سے لاکر حملہ کرایا اور خندق کے موقع پر تو بنوقریظہ نے انتہاء کردی۔ شاید مدنی زندگی میں اتنا نازک وقت آپ ﷺ پر کبھی نہیں گذرا۔ ایک طرف عورتیں اور بچے ہیں جو

مدینہ کی آبادیوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ تین طرف پہاڑیاں ہیں، امید ہے کہ ان پہاڑیوں سے حفاظت ہوگی اور یہ جو چھوٹا سا حصہ ہے اس میں سلمان فارسیؓ کی رائے پر خندق کھودی گئی ہے، خندق کھودنے والوں میں حضور ﷺ خود بھی شامل ہیں اور خندق کھود کر حفاظت کی گئی ہے، سامنے سارا عرب اپنی متحدہ قوت کے ساتھ کھڑا ہے۔ ایسے موقع پر یہود بنی قریظہ نے عہد توڑا اور ان کو ان کی سزا بھگتنی پڑی۔

یہودیوں کی بدعہدی

غزوہ خندق میں ازراہ حفاظت خواتین کو ایک قلعہ میں رکھ دیا گیا تھا۔ حضرت حسانؓ لڑنے والے آدمی نہیں تھے، شاعر بڑے اچھے تھے، ان کو اسی قلعہ میں رکھا گیا تھا۔ دشمن یہودی کچھ سن گن لینے آیا تھا۔ حضرت صفیہؓ نے حضرت حسانؓ سے کہا کہ جاؤ اس کو مار دو۔ انہوں نے کہا کہ میں تو اس کام کا آدمی نہیں ہوں۔ حضرت صفیہؓ خود ایک کھونٹا اکھاڑ کر دوڑی ہوگئی گئیں، پھر اس کے بعد خود وہ بھاگا۔ حضرت صفیہؓ کی بہادری ہے کہ وہ گھبرائی نہیں، وہ یہ اندازہ لینے آیا تھا کہ اگر صرف عورتیں اور بچے ہیں تو حملہ کر کے ہم ان کو اندر سے ختم کردیں گے۔ جب ان تمام یہودی قبائل نے بدعہدی اور بدشکنی کی تب ان کے خلاف کارروائی کی گئی۔ اور اس طرح آہستہ آہستہ حکومت اسلامی کا قیام عمل میں آیا۔ جس نے عہد شکنی کی، اس کو سزا ضرور دی گئی ہے، لیکن کبھی کسی کو جبر کے ساتھ اسلام قبول نہیں کرایا گیا اور نہ ان کے حقوق کو چھینا گیا ہے۔ یہ ہمارے آقا کی تعلیم کا ایک حصہ ہے۔

میرے بزرگو! جب ان جنگوں سے حضور ﷺ فارغ ہوئے اور حدیبیہ کی صلح نے راستہ کھول دیا اور آپ کو معلوم ہے کہ حدیبیہ کی صلح کے موقع پر خود مکہ والوں نے ایک شرط لگائی کہ مکہ کا کوئی آدمی مسلمان ہو کر آپ کے پاس جانا چاہے گا تو ہم اس کو آپ کے پاس نہیں جانے دیں گے اور میرا کوئی آدمی آپ کے پاس پہنچ جائے تو آپ اس کو واپس کر دیجئے گا۔ ظاہر ہے یہ زبردستی کی شرط تھی، لیکن آپ ﷺ نے اس کو بھی قبول کیا اور اس پر پورا پورا عمل کیا۔ آپ

ﷺ نے اس شرط کو اس لئے قبول کیا کہ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ میرا کوئی آدمی بھاگنے والا نہیں ،ابھی معاہدہ پر دستخط بھی نہیں ہوئے تھے کہ حضرت ابو جندلؓ اور حضرت ابوبصیرؓ روتے ہوئے آرہے ہیں۔پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔سخت تکلیفوں اور مصیبتوں سے گذرتے ہوئے اپیل کرتے ہیں۔ہمیں بچا لیجئے۔ابھی تو دستخط بھی نہیں ہوئے ہیں۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب مومن بات کرلیتا ہے تو اس سے پیچھے نہیں ہٹتا۔اب یہ مدینہ جا نہیں سکتے تھے اور مکہ میں ظلم کی وجہ سے رہ نہیں سکتے تھے۔بھاگ کر ساحل سمندر پر جا بسے۔اور وہاں انہوں نے اپنی چھاپہ مار جنگوں کے ذریعہ مکہ کے تاجروں کا جینا حرام کردیا۔یہاں تک کہ مکہ کے لوگوں نے خود حضور ﷺ سے آکر کہا کہ ہم نے اپنی وہ شرط واپس لے لی اور آپ ان کو بلا لیجئے۔اس واقعہ میں بھی ہمارے لئے درس اور سبق ہے۔

اب اہلِ مکہ کا آنا جانا جاری ہوگیا۔مکہ والوں نے آکر حضور ﷺ کو دیکھا۔ظاہر ہے کہ ناممکن تھا کہ ایک مقناطیس رکھا ہوا ہو اور تم کھنچ نہ سکو۔اسی مقناطیسی قوت کو وہ سحر اور جادو کہا کرتے تھے۔کلمہ پڑھنا عام ہوگیا۔چاروں طرف سے لوگ کلمہ پڑھنے لگے۔مکہ بھی فتح ہوگیا۔فتح مکہ سے پہلے ہی اللہ نے ہدایت فرمائی۔"إذا جاء نصر الله والفتح ورأيت الناس يدخلون في دين الله افواجا فسبح بحمد ربک واستغفره انه كان توابا" (النصر)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر کی ہے کہ حضور ﷺ کے تشریف لے جانے کی خبر ہے اور خود حضور ﷺ نے اپنی ایک تقریر میں کہا کہ اللہ نے اختیار دیا تھا اپنے ایک بندے کو دنیا اور آخرت کے بارے میں اس نے آخرت کو اختیار کرلیا۔سیدنا ابوبکر صدیقؓ بے تحاشہ رونے لگے۔لوگوں نے کہا، رونے کی کیا بات ہے؟ کہا کہ تم سمجھ نہیں رہے ہو، حضور ﷺ اپنے واپس جانے کی خبر دے رہے ہیں۔وہ بندہ حضور ﷺ ہیں۔ان کا کام پورا ہوگیا ہے اب وہ واپس جائیں گے۔إذا فرغت فانصب وإلى ربک فارغب (انشرح: ۷-۸)۔

وفات

وہ دن آیا کہ حضور ﷺ بیمار پڑے۔ اس گھر سے اس گھر، اس گھر سے اس گھر۔ یہاں تک کہ سیدہ عائشہؓ کے یہاں گئے۔ عدل کا تقاضا تھا کہ ہر جگہ جاتے رہتے بیماری سے کمزوری ہوگئی۔ چنانچہ ہمارے حضور ﷺ نے سب بیویوں سے اجازت لی کہ تم ہم کو اجازت دے دو کہ ہم عائشہؓ کے گھر میں رہیں۔ وہیں رہے۔ وہیں اپنے رب سے جا ملے اور ہیں آج بھی مدفون ہیں۔ **رب صل و سلم و بارک علی سیدنا محمد۔**

امام بخاریؒ نے ایک باب قائم کیا ہے یہاں پر جس کو بیان کرتے ہوئے مجھے خود شرم آتی ہے۔ سیدنا امام بخاریؒ نے فرمایا کہ اس حالت میں بھی کہ حضور ﷺ کا ایک ہاتھ ایک صحابی اور دوسرا ہاتھ دوسرے صحابی کے کاندھے پر ہوتا اور پیروں سے گھسٹ گھسٹ کر چلنا ہوتا۔ پھر بھی مسجد تک جاتے۔ اس روایت سے امام بخاریؒ نے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا کہ کتنی حد تک کمزوری کے باوجود مسجد جانا چاہئے۔ بہر حال وہ دن بھی آیا اور آنا ہے اور سب پر آنا ہے کہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی۔

حضور ﷺ کی ایک بات یاد رکھو اور اچھی طرح یاد رکھو۔ حضور ﷺ نے ہر موقع پر اپنے کو ایک بندہ ہی کہا ہے۔ فرمایا ''انا عبد'' میں ایک بندہ ہوں، میں بندوں اور غلاموں کی طرح کھاتا ہوں، پیتا ہوں، جب ایک صحابی کا انتقال ہوا تو کفار نے کہا کہ کیوں نہیں بچالیا تم نے خدیجہ کو؟ کیوں نہیں بچالیا ابو طالب کو؟ بڑے نبی بنتے ہو؟؟ حضور ﷺ کا معروف جملہ ہے۔ ''میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اللہ کے معاملے میں کوئی اختیار حاصل نہیں''، مدینہ میں ایک دن حضور ﷺ کی اونٹنی گم ہوگئی۔ سارے لوگ گھوم کر تلاش کررہے ہیں۔ یہودیوں نے کہا واہ صاحب واہ، کہاں تو آپ نبی ہیں، آسمانوں کی خبر لاتے ہیں، یہ بھی پتہ نہیں کہ اونٹنی کہاں ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا '' بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، میرے ہاتھوں میں کوئی اختیار نہیں، میں

وہی جانتا ہوں جو اللہ نے مجھے بتایا ہے، لیکن میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اللہ نے مجھے بتایا ہے اور ابھی پتہ بتایا ہے کہ فلاں جنگل میں تمہاری اونٹنی کی لگام اک درخت میں الجھ گئی ہے وہاں رکی پڑی ہے، جاؤ لو کو جا کر لے آؤ''۔ **صلی اللہ علی سیدنا محمد۔**

کسی نے کہا اگر اللہ اور رسول اللہ ﷺ نے چاہا تو ایسا ہو جائے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں نہیں، صرف ''اللہ نے چاہا'' کہو، یہودیوں کی شہہ پر ہمارے آقا سے مکہ والوں نے جانچ کے لئے سوال کیا۔ کہف کا واقعہ، ذوالقرنین کا واقعہ اور روح کی حقیقت۔ یہ تین سوال اس پرچہ امتحان میں تھے۔ حضور ﷺ کو یہ سوالات دیئے گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے کل بتا دوں گا، حضور ﷺ کی زبان سے اتفاق سے انشاء اللہ نہیں نکلا۔ بیس دن گذر گئے۔ مخالفین طعنہ دینے لگے اور بدنام کرنے لگے کہ یہ سچے ہوتے تو بتا دیتے۔ تب اللہ کی کتاب میں اترا ''ولا تقولن لشیئی انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ'' (الکہف: ۲۳) ''اے نبی! کبھی بھی کسی کام کے بارے میں یہ مت کہئے کہ کل کروں گا بغیر انشاء اللہ کہے۔ اللہ کی مشیت پر چھوڑ کر کہا کیجئے''۔ اس لئے یہ واقعہ پیش آیا، پھر پوری سورہ ''الکہف'' اتری۔ جس میں ان تینوں سوالات کے جواب ہیں۔

نبی ﷺ کی امت سے محبت

میرے عزیزو اور دوستو! حضور ﷺ کو امت سے محبت بھی اسی درجہ میں تھی اور حضور ﷺ کی شفقت بھی اپنی امت پر اسی درجہ کی تھی قرآن کہتا ہے **عزیز علیہ ماعنتم** عجیب جملہ ہے۔ میں کیسے اس تعبیر کی لذت آپ تک پہنچاؤں جو ''ما'' کے عموم میں ہے، یعنی ذرا سی بھی امت کو تکلیف پہنچ جائے تو نبی کے قلب پر وہ پہاڑ سے زیادہ بھاری ہوتا ہے، یہ کیفیت قلب نبوت کی خود اللہ بتاتا ہے، ''**عزیز علیہ**'' بہت بھاری ہے، بہت بوجھل ہے، نبی کے دل پر ''**ماعنتم**'' وہ ذرا سی تکلیف جس میں تم مبتلا ہو جاؤ۔ ''**بالمومنین رئوف رحیم**'' ۔ یہ

حضور ﷺ کی کیفیت کا حال ہے، حضور ﷺ کی شفقت کی بابت قرآن ہی نے بتایا کہ ایسا لگتا ہے کہ گھٹ گھٹ کر آپ جان دے دیں گے، لوگوں کے غم میں اگر یہ ایمان نہ لائیں اور حضورؐ نے فرمایا کہ میرا اور تمہارا حال اس طرح ہے جیسا کہ پروانے روشنی پر گر کر جلتے ہیں۔ ارشاد ہے: ''انکم تقعون علی الذنوب کما تقع الفراش علی النار'' تم گنا ہوں پر اس طرح گرے پڑتے ہو جیسے پروانے آگ پر گرتے ہیں اور ''انا آخذ بحجز کم من النار'' اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر جہنم کی آگ سے بچا تا ہوں۔ یہ حضور ﷺ کی شفقت کا حال ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب بھی اللہ کی طرف سے حضور ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ ایسے بھی کر سکتے ہیں اور ایسے بھی، تو ہمارے حضور ﷺ نے اسی کو پسند کیا جو لوگوں کے لئے آسان تر ہے، تا کہ امت کے اوپر سختی نہ ہو۔ حضور ﷺ کو ڈر لگا تھا کہ کہیں ہر وضو کے وقت، ہر نماز کے وقت مسواک کرنا فرض نہ قرار دے دیا جائے، اس لئے آپ نے باوجود خواہش کے اس کا حکم نہ فرمایا، آپ ﷺ اپنی امت پر مشقت کے لئے پریشان رہتے تھے۔

ایک صاحب حضور ﷺ کے پاس آئے، یا رسول اللہ ﷺ! کچھ دیجئے میں پریشان ہوں، حضور ﷺ نے اسے کچھ دے دیا کہ ٹھیک ہے؟ تو اس نے جواب دیا ''مـــا احسنت وما اجملت'' احسان تو آپ کیا کرتے ہیں آپ نے مجھ سے اچھا سلوک بھی نہیں کیا۔ یعنی بہت کم دیا۔ یہ جملہ صحابہ سن کر بہت تیز ہو گئے اور لگتا تھا کہ مار بیٹھیں گے، حضور ﷺ نے سب کو چپ کیا کہ ٹھہر جاؤ، حضور ﷺ اندر گئے کچھ اور سامان بھیج دیا اور کہا کہ اب کیا کہتے ہو، کہا کہ اب آپ نے نہ صرف یہ کہ اچھا سلوک کیا بلکہ آپ نے احسان بھی کیا، اور وہ بہت خوش ہو گئے۔ حضور ﷺ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا کہ بھائی میرا اور اس کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک اونٹنی ہو اور اس کا مالک ہو اور کبھی کبھی اونٹنی بھڑک جاتی ہے اور لوگ اس کے پیچھے بھاگتے ہیں، وہ جتنا بولتے ہیں اور اونٹنی اتنا ہی بھاگتی ہے، مالک لوگوں سے کہتا ہے تم لوگ رک جاؤ۔ خود

آگے جا کر گھاس لے کر اس کو دکھاتا ہے اور پھر بہلا کر، پکڑ کر اپنے گھر لے آتا ہے۔ فرمایا کہ میں اپنی امت کے بارے میں ایسا ہی ہوں۔ اگر تمہارے طریقہ پر چلوں تو لوگ بھڑک کر بھاگ جائیں گے اور میرا طریقہ یہ ہے کہ جیسے اونٹنی کا مالک پیار کر کے اپنی اونٹنی کو واپس لے آتا ہے۔ اسی طرح میں اپنی امت کو واپس لے آتا ہوں۔'' **صلی اللہ علی سیدنا محمد**'' ۔قاضی عیاض نے شفاء میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

میں بتانا چاہتا ہوں امت کی تربیت کو ایک خاص حکمت اور پیار و محبت کے ساتھ انجام دینا، یہ شان ہے ہمارے آقا حضور اقدس ﷺ کی ۔امت کو بھی حضور ﷺ سے ایسا ہی پیار تھا، وہ جان دے سکتے تھے۔ سب کچھ کھو سکتے تھے مگر حضور ﷺ کی محبت کو دل سے نہیں نکلنے دیتے۔ خود حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی مومن ہو نہیں سکتا۔ جب تک کہ اس کے دل میں میری محبت ماں باپ سب سے بڑھ کر نہ ہو۔ غرض یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی محبت اور عشق صحابہ کے دلوں میں تھا اور پوری امت کے لئے شفقت ہمارے آقا جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے دل میں تھی، اللہ ہم کو حضور ﷺ کی شفقت کا کچھ حصہ عطا فرمادے اور ہمارے دل کو حضور ﷺ کی محبت سے بھر دے!

اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم کما تحب وترضی وعدد ما تحب وترضی۔

خطبات بنگلور اوّل

(چوتھا خطبہ)

اسوۂ محمدی ﷺ

عصرِ حاضر کے مسائل کا حل

''مغرب کا خاندانی نظام ٹوٹ چکا ہے، نکاح کا اوسط کم سے کم ہوتا جارہا ہے۔ اور وہ اکبرالہ آبادی کا شعر ''کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جاکر'' کا مصداق بنتے جارہے ہیں، اکبر نے تو شاید اتنا بڑا تماشہ دیکھا بھی نہ ہو، آج یورپ میں بڑا فرمانبردار بیٹا وہ ہے کہ ماں باپ بیمار ہوجائیں تو اسپتال میں ڈال کر آجائے اور ان کا بل برداشت کرلے، بلکہ اب تو ہیلتھ انشورنس کے بعد اس کی بھی ضرورت نہیں رہی، اگر ہفتہ میں ایک بار بیمار ماں باپ کو دیکھ آیا تو یہی بڑی فرمانبرداری اور صالحیت ہے، نہ وہاں ماں باپ کو لذت ملتی ہے کہ اولاد کے سر پر ہاتھ رکھ کر تھپکیاں دے اور نہ بال بچے اس لذت سے آشنا ہیں کہ مشفق باپ کی پنڈلیاں دبانے اور ممتا کی ماری ماں کے سر پر تیل رکھنے اور مالش کرنے میں کیا لذت اور روحانی سرور پنہاں ہے؟''

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد۔ فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ قل یا ایھا الناس إنی رسول اللہ إلیکم جمیعا۔

بھائیو اور بہنو! جیسا کہ آپ جانتے ہیں آج چوتھا دن ہے اور کل انشاء اللہ اس سلسلہ کا آخری خطبہ ہوگا۔ پچھلے تین خطبات میں حضور اقدس جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی، ان کے آنے سے پہلے کے حالات اور ان کی ولادت سے لے کر آخری لمحہ تک کے حالات اجمالی طور پر بیان کئے گئے اور درمیان میں کچھ اہم نکات کی طرف اشارہ کیا گیا۔ اب جب کہ ایک سرسری نظر پوری سیرت پر گذر چکی اور آپ ہم سب تین دنوں سے ایک ساتھ سفر کر رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ حضور ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے آپ ﷺ کی زندگی کو لمحہ بہ لمحہ دیکھ رہے ہیں۔ خود بھی اپنے شرف کا احساس ہوتا ہے۔ ہم سب رفقاء سفر اب اس پوزیشن میں ہیں کہ زندگی کے ان واقعات کے تذکرہ کے بعد آگے بڑھ کر آنحضور ﷺ کے پیغام اور رسالت کے بارے میں باتیں کریں۔

کائنات کا نظام محض اتفاق نہیں!

ہمارے آقا حضور اقدس ﷺ جس دور میں مبعوث ہوئے اس سے پہلے بھی دنیا کے ہر خطے میں نبی آتے رہے، اور قرآن نے اس بات کو بار بار کھولا اور واضح کیا ہے کہ کوئی ایسی قوم نہیں ہے جس میں اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر نہ آئے ہوں لکل قوم ھاد (اور ہر قوم کو راستہ دکھانے والے بھیجے گئے ہیں)۔

اللہ کا بہت بڑا کرم ہے کہ اس نے انسانوں کی پرورش کے لئے سارا انتظام کیا ہے، یہ ساری کائنات بنی ہے انسانوں کی پرورش کے لئے، یہ سورج، یہ چاند تارے، یہ زمین، یہ برستے ہوئے بادل، جو کچھ بھی ہم دیکھ رہے ہیں، اس کائنات میں پھیلے ہوئے جانور اور تمام مخلوق، ہر چیز انسان کی خدمت، انسان کی پرورش اور انسان کی نگہداشت میں لگی ہوئی ہے۔ سورج اس لئے نکلتا ہے کہ وہ زندگی کی حرارت پیدا کرے۔ سورج کی گردش اور ۲۴ گھنٹہ اس کا سفر، یہ سفر یقین کیجئے اتفاقی نہیں ہے، چاند کا نکلنا اور غروب ہوجانا اور دوسرے ملکوں میں اس کا دکھائی پڑ جانا، تھوڑی سی دیر کے لئے زمین اور چاند کے درمیان سورج کا آجانا اور چاند کا دکھائی نہ دینا، اور پھر ایک ہلال بن کر عیاں ہونا – روزانہ آسمان پر تاروں کے قمقمے کا جگمگانا، سمندر کا گرم ہونا، پھر بادلوں کا وہاں سے پانی اٹھانا اور دور دور کا سفر کرنا، کیا یہ سب کچھ یوں ہی ہے؟ کیا یہ سب بےضرورت ہے؟ معاذ اللہ! کیا یہ سب کچھ اتفاقی ہے، یا اس کے پیچھے کسی حکیم کی حکمت اور مدبر کی تدبیر اور کسی رحمان کی رحمت، کسی رحیم کی مہربانی اور کمزوروں پر رحم کرنے والے اور ہماری فطرت وخلقت کو جاننے والے اس مالک کا کرم ہے جو علیم وخبیر اور سمیع وبصیر ہے، اور وہ اپنے علم وخبر سے ہماری ضرورتوں کو جانتا ہے اور اپنی قدرت وحسن تدبیر سے اس پوری کائنات کی تخلیق فرما کر ہماری خدمت، نوکری اور چاکری میں اس نے پوری کائنات کو مشغول کر دیا ہے۔ ساری کائنات کی یہ خدمت گذاری اور تم اس کائنات کے بادشاہ، لگتا ہے کہ اے انسان! سب تمہارے کام میں لگے ہوئے مشغول ہیں، یہاں تک کہ شہد کی مکھی بھی کہتی ہے کہ مجھے بیکار نہ سمجھئے گا، میں آپ کے لئے بڑی میٹھی اور مفید غذا بناتی ہوں اور میسور سلک، بہت خوبصورت اور نرم ونازک حریر دیبا کہتا ہے کہ مجھے پہچانتے ہیں آپ! کہ میں خدا کی ایک حقیر سی مخلوق ریشم کے کیڑوں کی پیداوار ہوں، یہ بھی آپ کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور سانپ کیڑے پکار کر کہتے ہیں کہ مجھے بھی خالی مت سمجھئے، میں تو کلینر ہوں میں تو فضاء کی ناپاکیوں کو لے کر اپنے اندر سموتا ہوں تاکہ وہ زہر آپ کو

نقصان نہ پہنچا جائے، مجھے آپ جتنا بھی زہر یلا کہیں، یہ دراصل آپ کی حفاظت کا انتظام ہے، ورنہ آپ کے جسم اور آپ کی صحت کو نقصان پہنچے گا، میں جو یہ سب کچھ کہہ رہا ہوں ایسے موقع پر ایک سیدھا سا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ساری کائنات سے آخر کیوں آپ کی اتنی خدمت کرائی جائے؟ آپ میں کیا خوبی ہے، آپ سے کیا مقصود ہے؟ کیوں شہزادوں کی طرح آپ کی پرورش ہورہی ہے؟ آپ صرف اس لئے آتے ہیں کہ کھائیے، پیجئے، اور مرجائیے، نہیں یہ بات نہیں ہوسکتی اور نہ یہ بات درست ہوسکتی ہے کہ نیچر نے سب کچھ بنا رکھا ہے، نیچر پرست ایک ایسے جامد خدا کو مانتا ہے جس میں نہ احساس ہے نہ شعور ہے، نہ تدبیر، نہ فکر ہے، نہ علم ہے، نہ خبر، نہ سمع ہے نہ بصر ہے۔

وہ ایک زندہ اور حی وقیوم خدا کو ماننا نہیں چاہتے، نیچر اور فطرت کی بات کر کے حی وقیوم خدا کا انکار کیوں کر عقل قبول کرتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ کائنات کے خالق، مدبر اور اس کا انتظام کرنے والے نے سب سوچا ہے، سمجھا ہے، بتایا ہے، اس نے کہا کہ "الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمه البيان الشمس والقمر بحسبان" سورج اور چاند کی یہ رفتار اور ان کی یہ حرکت یہ سب حساب سے ہے، اور آج کی سائنس نے اس کا حساب کیا ہے، نہایت درست حساب ہے سورج اور چاند کی رفتار کا، اسی کو قرآن نے کہا "الشمس والقمر بحسبان" آج کی سائنس نے بتادیا کہ یہ اتنا پختہ حساب ہے کہ جس میں کوئی کمی ہوسکتی ہے اور نہ کوئی زیادتی، یہ سارا نظام یوں ہی ہے، لوگو! ہر چیز اتفاقیہ نہیں ہوتی، ہر شئی پر غور کرو تو اس کے پیچھے کوئی تدبیر نظر آتی ہے۔ اور کوئی فکر، کوئی قدرت آتی ہے، کوئی حکمت اور کمال نظر آتا ہے، وہ عقل کے اندھے ہیں جو اس ساری کائنات کو اتفاق کہہ کر اور مردہ نیچر کہہ کر اپنی ذمہ داریوں سے گریز کرنا چاہتے ہیں، پیغام محمد ﷺ کی پہلی بنیاد یہی ہے، جس کو ہم توحید کہتے ہیں، افسوس ہے کہ ہم نے قرآن کو اور اللہ کی بتائی ہوئی چیزوں کو منتروں کی طرح پڑھنا شروع کیا ہے، ان کی حقیقتوں تک ہماری

رسائی نہیں ہوتی ،صرف اسماء حسنی پر اگر غور کرلو، ہر نام میں کتنی بڑی بات چھپی ہوئی ہے؟ آیت الکرسی کا کام تمہارے نزدیک محض یہ ہے کہ رات کو پڑھ لو تو جنات اور بھوت تم پر حملہ نہ کرے، میں نہیں کہتا کہ یہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا، لیکن میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آیت الکرسی کی جو حقیقت ہے اس پر تم نے کیوں غور نہیں کیا۔

الله لا اله إلا هو الحی القیوم لا تأخذه سنة و لا نوم، له ما فی السموات وما فی الارض من ذا الذی یشفع عنده إلا بإذنه یعلم ما بین أیدیهم وما خلفهم و لا یحیطون بشیء من علمه إلا بماشاء وسع کرسیه السموت والأرض ولا یؤده حفظهما وهو العلی العظیم۔ (سورۂ بقرہ ۲۵۵)۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ اور قائم ہے سب کا تھامنے والا، اسے نہ اونگھ آسکتی ہے اور نہ نیند، زمین وآسمان کی ساری چیزیں اور کائنات کا ذرہ ذرہ اسی کا ہے، کوئی ایسا نہیں جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے، وہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے، جو خلقت کے روبرو ہے، اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، اور وہ سب احاطہ نہیں کر سکتے کسی چیز کا اس کی معلومات میں سے مگر جتنا وہی چاہے، گنجائش ہے اس کی کرسی میں تمام آسمانوں اور زمین کو، اور گراں نہیں اس کو تھامنا ان کا، وہی ہے سب سے برتر اور عظمت والا۔

وہ حی ہے یعنی حیات اس کے اندر سے ہے، اس کی حیات مانگی ہوئی نہیں ہے، حیات خود اس کے اندر ہے، قیوم ہے، اس کے بل پر سارا سنسار کھڑا ہے، تمام نظام کائنات قائم ہے، لا تاخذه سنة و لا نوم نہ اونگھ آتی ہے، نہ اس کو نیند آتی ہے، وہ ایسا اعلیٰ وعظیم خدا ہے کہ اس کی قدرت کائنات پر حاوی ہے، کوئی شئی اس سے باہر نہیں جا سکتی۔

میرے عزیزو! اگر قرآن کا اور خاص کر اسماء حسنی کا مطالعہ کریں نیز آیتوں کے آخر میں اللہ کی صفتوں کا ذکر کیا جاتا ہے، ان کا آپ گہرائی کے ساتھ مطالعہ کریں، تو پھر آپ اس لذت

تک پہنچیں گے جس لذت کے بعد قرآن کے بغیر پھر آپ کو کوئی لطف اور کوئی مزا نہیں آئے گا۔

توحید پیغام محمدی کا اصل

میرے عزیز دوستو! جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے پورے پیغام کی اصل بنیاد توحید الٰہی ہے، اللہ کی ان قدرتوں کی بانٹو مت، اللہ کی ان صفات میں کسی کو شریک مت کرو، کچھ لوگوں کو ان کے ساتھ ساجھی اور شریک نہ بناؤ، ہر اس چیز سے بچ کر رہو، جس سے اللہ کی قدرت اور اس کے کمال میں ساجھے داری پیدا ہوتی ہو، اس کی ذات اور اس کی صفات میں کسی اور کو شریک کرنے کا سوال ہی نہیں ہے، اللہ کی وحدانیت پر ایمان بنیاد ہے جناب محمد ﷺ کے پیغام "قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا" کی، اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ کی وحدانیت پر ایمان لاؤ، تم فلاح پا جاؤ گے، جو نبی پہلے آتے رہے ان نبیوں نے بھی یہی بات کہی، چاہے وہ دنیا کے کسی کونے میں بھیجے گئے، سب نے تنہا یہی پیغام دیا۔

وحدت رسالت

اب آپ ایک بات پر غور کر لیجئے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور ان کے بعد سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آئے، یہودیوں نے موسیٰ کو مانا اور عیسیٰ کا انکار کیا، اس کے بعد جناب محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو مانا اور محمد رسول اللہ ﷺ کا انکار کیا، لیکن مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک رسول اللہ ﷺ پر بھی ایمان نہ لائے، عیسیٰ پر بھی، موسیٰ پر بھی، ابراہیم پر بھی، یونس پر بھی، غرض ان تمام لوگوں پر، جو اللہ کا پیغام لے کر دنیا کے کسی حصہ میں آئے ہوں، جب تک ان سب پر ایمان نہ لائے مسلمان نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ ان کا نام جانے نہ جانے سبھوں پر ایمان لانا ضروری ہے، پس اسلام کی بنیادی روح ہے اللہ کی وحدانیت اور تمام انبیاء کرام پر ایمان خواہ وہ کائنات کے کسی حصہ میں کبھی اور کسی قوم میں آئے ہوں، جیسے اللہ کی وحدت پر ہم ایمان لائے ہیں اسی طرح رسالت کی وحدت کے بھی

ہم قائل ہیں، یعنی ہر رسول دوسرے رسول کا حصہ ہے، سب کی بنیادیں ایک ہیں، سب کی دعوت کی بنیاد ایک ہے، سب کا پیغام ایک ہے، اسلام کہتا ہے کہ **لا نفرق بین احد من رسله** ہم اللہ کے رسولوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے، اللہ بھی ایک اور اللہ کا پیغام لانے والے بھی سب ایک۔

وحدت انسانی

اور اگلی منزل یہ ہے کہ انسان بھی ایک، اسی اعتقاد سے یہ اعتقاد بھی پیدا ہوتا ہے کہ انسان بھی ایک ہے، کوئی شخص نسلی برتری کا شکار ہے تو غلط، ملک کے نام پر فخر کرتا ہے تو غلط، دوسروں کو اپنے سے حقیر سمجھتا ہے تو غلط، رنگ کے اعتبار سے فخر کرتا ہے تو غلط اور زبانوں کے نام پر فخر کرتا ہے تو غلط، کوئی زبان بولتے ہو، کوئی سا رنگ رکھتے ہو اور کسی ملک کے باشندے ہو تم سب صرف انسان ہو اور کچھ نہیں، یہ میں ان بنیادوں کی طرف لے جا رہا ہوں جو رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی عالمگیریت کی طرف راستہ دکھاتی ہے۔ قرآن نے کتنے صاف الفاظ میں بتا دیا کہ لوگو "**اختلاف السنتکم و الوانکم**" تمہاری زبانوں کا فرق کہ یہ تمل ہے، یہ اڑیا، یہ اردو، یہ فارسی، اور یہ عربی، دنیا کی جون سی زبان آدمی بولتا ہو اس سے عزت و ذلت کا تعلق نہیں، رنگ چاہے جون سا ہو، ایرانیوں کی طرح مت کہنا کہ ہم تو گورے ہیں اور ہندوستانی اور حبشی کوے ہیں، یہ رنگوں اور زبانوں کا فرق اللہ کی آیتوں میں سے ایک آیت اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، اس کو تم اپنے درمیان وجہ فضیلت مت سمجھنا۔

اسلام نے عورت کو عزت دی

ایک زمانہ میں انسانوں کے درمیان جنس کی بنیاد پر بھی فرق کیا جاتا تھا کہ عورت میں نفس انسانی ہی نہیں ہے۔ وہ عورت کو آدمی جاننے کو تیار نہیں تھے، عورت کے بارے میں پتہ نہیں کیا کیا تخیلات تھے۔ مرد نے اپنی فضیلت اور برتری کے لئے عورتوں کو ایسی ذلت کے گڑھے

میں ڈالا تھا کہ وہ سامان استراحت تو تھی، مگر خود انسانی حیثیت سے ان کا کوئی مقام اور وقار نہیں تھا، قرآن نے کیا کہا، ہم نکاح کے خطبہ میں روز سنتے ہیں "یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء" (النسا:۱) اے لوگو اے انسانو! تم سب جان لیں، ڈرتے رہنا اپنے رب سے کہ ہم نے تم کو ایک نفس سے بنایا، انہیں سے ان کا جوڑا بنایا، اور ان ہی دونوں سے مل کر مرد وعورت پیدا کیا، اور دونوں ایک دوسرے کے لئے ایسا حصہ ہیں کہ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا، سیدھے لفظوں میں عورت انسانیت سے باہر کی کوئی شئی نہیں ہے، بلکہ انسانوں کا ایک حصہ اور انسانوں کی ایک قسم ہے اور مرد عورت مل کر انسانیت کی تکمیل کرتے ہیں، اس طرح قرآن نے اس تصور کو ختم کیا، جو عورتوں کو ذلیل اور ان کو انسانیت سے گرا دینے کے لئے پچھلی تمام قوموں میں رائج تھا، چاہے اہل یونان ہوں یا اہل ہندوستان یا عرب کی قوم ہو، اسی لئے عربوں کے ہاں سوتیلی ماں بھی وراثت میں تقسیم ہوتی تھیں۔ جیسے باپ کے ترکہ میں دولت آتی تھی اسی طرح ان کی بیوی بھی وراثت میں تقسیم ہوا کرتی تھیں، آپ کو آج یہ بات سمجھ میں نہیں آئیگی، لیکن آج سے چودہ سو سال پہلے دنیا پر جو افکار آدمیوں کے بنائے ہوئے مسلط تھے، ان کی روشنی میں قرآن کے اس انقلابی بیان کو پڑھئے کہ اے تمام انسانو! تم کسی نسل کے ہو، چاہے مرد ہو یا عورت، تم سب ایک ماں باپ کی اولاد ہو، ایک جڑ سے نکلے ہو، اور ماں باپ بھی ایسے کہ باپ کا ٹکڑا اور ان کے جزء کی حیثیت سے ماں بھی تھی، دونوں کے وجود سے یہ پوری کائنات بنی ہے، پس انسانوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی جا سکتی۔

خاندان وجہ تعارف نہ کہ وجہ تفاخر

خاندان کے بارے میں اسلام کا تصور یہ ہے کہ "وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا" تم کو خاندان اور قبیلے اس لئے بنائے ہیں کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، آگے فرمایا گیا:

"ان اکرمکم عند اللہ اتقکم" یعنی یہ خاندان اور برادریوں کا بٹوارہ انسانوں کی عزت وذلت کا تر ازو نہیں ہے، انسانوں کی عزت وذلت کا تر از وتقویٰ ہے، کس میں کتنی کردار کی پختگی اور اللہ کا ڈر ہے، کوئی کسی نسل سے پیدا ہو، وہ مرد ہو یا عورت ہو، وہ سب عزت میں برابر ہیں، آدمی آدمی کے درمیان فرق نہیں کیا جا سکتا اور نسلی غرور کے بارے میں بھی قرآن نے کہا کہ جب قیامت آئے گی تو یہ سارے رشتے اپنا وجود کھودیں گے۔ فلا انساب بینھم نسب اور رشتہ داری اس دن کام نہیں آئے گی، نسب اور رشتہ داری سے وہاں کوئی فائدہ پہنچنے والا نہیں ہے، اس دن تو عمل اور تقویٰ سے جانے جاؤ گے کہ کون ہو اور کون نہیں؟ پس ہر وہ چیز جو انسانوں کے درمیان فرق کرتی ہو اس کو مٹا دیا اور فرمایا جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے: ان اللہ اذھب عنکم عبیۃ الجاھلیۃ وفخرھا بالاباء انما ھو مومن تقی اوفاجر شقی، اللہ نے زمانہ جاہلیت کے اس نسلی غرور کو توڑ دیا ہے، اور خود ہمارے آقا نے فرمایا ہے: "وانی لا دفن تحت قدمی ھذا" میں اپنے دونوں پیروں تلے ان عصبیتوں کو گاڑ کر جا رہا ہوں، اس دفن شدہ مورتی کو پھر باہر نکال کر پوجنے نہ لگنا، اور آدمی آدمی کے درمیان اس بنیاد پر عزت کو نہ بانٹنا کہ کون کس نسل اور کس برادری کا ہے، کس جنس اور کس صنف کا ہے، آدمی آدمی کے درمیان کوئی تقسیم نہیں کی جا سکتی۔

اور یہ بھی کہا گیا "ولقد کرمنا بنی آدم" ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دیا ہے یعنی اس کو مکرم بنایا ہے۔ کسی خاص نسل کو نہیں کہا گیا، یہودی کہتے تھے کہ ہماری نسل سب سے برتر ہے، ہندوستان میں لوگ کہتے تھے کہ آریاورت کی مقدس دھرتی اور آریانسل سب سے برتر ہے، جرمن دماغ میں عرصہ تک غرور رہا کہ ہماری نسل سب سے برتر ہے اور آج بھی دنیا کی بہت سی قومیں چاہے زبان سے نہ کہیں ان کے دماغ اور ان کے برتاؤ سے نسلی برتری کا احساس ہوتا ہے، مگر قرآن کہتا ہے کہ نہیں "لقد کرمنا بنی آدم" ہم نے اولاد آدم کو عزت دی ہے اور یہ کہا کہ "ولقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" ہم نے انسان کو انتہائی خوبصورت ترین سانچے میں پیدا کیا ہے۔

رنگوں کا فرق ہے صورتوں کا فرق ہے، ہر ایک کا سانچہ الگ ہے تو اس کی فکر نہ کرنا، یہ تو خدا کی قدرت کے تماشے ہیں اور اس کی نشانیاں ہیں کہ رنگوں میں ہم نے کیسے کیسے رنگ بنائے ہیں، پکا کالا، سفید بے رونق، گورا گندمی، زردی مائل اور ہم نے سرخی مائل رنگ بھی دیا، کسی کی ناک کھڑی، کسی کی اونچی، کسی کی بیٹھی کسی کی آنکھوں کی پتلیوں کا رنگ سیاہ اور کسی کی آنکھوں کی پتلیوں کا اور رنگ، تم کیوں نہیں سوچتے کہ کیسا قدیر اور کیسی قدرت کا مالک ہے کہ جس کو جیسا چاہتا ہے بنا دیتا ہے اور اس کی قدرت ایسی بے نہایت ہے کہ اربوں انسان پیدا ہو کر دنیا سے جا چکے، اربوں انسان آج دنیا میں موجود ہیں، اور اربوں انسان آگے زمانے میں آئیں گے، کوئی نمونہ کسی سے ملتا نہیں ہے۔ بدیع السموات و الارض وہ مالک تو بدیع ہے، بدیع اس کو کہتے ہیں کہ پہلے سے کسی نمونہ کے بغیر کوئی چیز بنا کر دے، وہ بدیع ہے، اس کو کسی الگ سے نمونہ کی، کسی آرکیٹکٹ کی ضرورت نہیں ہے، وہ خود آرکیٹکٹ ہے اور اس کے آرٹ کی سائنس ایسی ہے کہ اس کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔

اس لئے حضور ﷺ کا امتی کبھی بھی اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو شریک نہیں کر سکتا، کسی نبی کی نبوت کا انکار نہیں کر سکتا، اور کسی انسان کو دوسرے انسان سے پیدائشی طور پر چھوٹا اور بڑا قرار نہیں دے سکتا، یہ ہے دراصل بنیاد، اور اس کی سخت ضرورت تھی، اس لئے کہ حضور ﷺ کا جو دور ہے وہ علم کی روشنی کا دور ہے، دنیا کو سمٹ کر ایک محلّہ بن جانا تھا، کبھی ایک گاؤں کا باشندہ دوسرے گاؤں کو نہیں جانتا تھا، کبھی دریا کے اس کنارہ رہنے والے دریا کے اس کنارہ کو نہیں جانتے تھے، لیکن حضور ﷺ کی نبوت قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے ہے، دنیا کو سمٹ کر چھوٹا ہو جانا تھا، اس میں ایسا کوئی مذہب دنیا کی رہنمائی کے لائق نہیں ہو سکتا جو انسانوں کو ایک نہ مانے، جو سب ہی نبیوں پر ایمان نہ لائے اور اللہ کی وحدانیت پر یقین نہ کرے، اس عظیم الشان پھیلی ہوئی دنیا کو ایک محلّہ میں منتقل کر دینے والا پہلا پیغام حضور ﷺ کا ہے، پوری کائنات انسانی ایک چھوٹا سا محلّہ ہے۔

وحدت قانون

یہیں سے چوتھی بات نکلتی ہے، قانون کی وحدت کی، قانونِ الٰہی ہندوستان کا الگ، امریکہ کا الگ اور سعودی عرب کا الگ نہیں ہوسکتا ہے۔ قانون انسانی میں تو فرق ہوسکتا ہے اس لئے کہ عقل انسانی الگ الگ بھٹک سکتی ہے، لیکن قانون الٰہی اپنے سارے بندوں کو ایک نظر سے دیکھتا ہے، دیکھنے والا خدا اپنے سب بندوں کے لئے یکساں قانون اور قانون کی بنیادیں دیتا ہے، وہ یکساں قانون دنیا کی ساری انسانیت کو اور دنیا کے سارے ممالک کو جوڑ کر ایک بناتا ہے، لوگو! اس طرح اللہ کی وحدانیت کے ساتھ رسول کی وحدت اور انسانوں کی وحدت کے ساتھ قانون کی وحدت پیدا ہوتی ہے۔

وحدت اعمال

پانچویں چیز اعمال کی وحدت ہے، جب میں قانون کی بات کرتا ہوں تو خود بخود اعمال کی بات آتی ہے، کسی بھی فرد یا امت کا عمل کسی قانون کے تابع ہوکر چلتا ہے، جب قانون ساری دنیا کے لئے ایک ہو تو قوموں کا عمل بھی ایک ہوگا، یہ نہیں ہوسکتا کہ امریکیوں کی نماز الگ ہو اور ہندوستانیوں کی نماز الگ، یہ نہیں ہوسکتا کہ امریکہ میں قاتل کو پھانسی نہ دی جائے اور ہندوستان میں قاتل کو پھانسی دی جائے، یہ نہیں ہوسکتا کہ ہندوستان میں صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم قتل کرے تو وہ سزا سے بچ جائے اور بازار اور سڑکوں پر چلنے والا اگر قتل کرے تو سزا مل جائے۔ یہ نہیں ہوسکتا، قانون کی وحدت انسانی معاشرے کو یکساں طور پر گرفت میں لیتی ہے، اسی لئے اسلامی قانون کی بنیاد یہ ہے کہ یہاں کوئی امتیاز نہیں ہے، وقت کے خلیفہ علی بن ابی طالب کو بھی قاضی شریح کے اجلاس میں جاکر اپنا مقدمہ ثابت کرنا ہے، جس قانون شہادت کے ذریعہ دوسرے کا کیس ثابت ہوگا یا رد ہوگا، تو تمہارا بھی مقدمہ اسی قانون شہادت سے ثابت ہوگا اور اگر تم نے اپنے بیٹے کی گواہی پیش کردی ہے تو جیسے بیٹے کی گواہی عام لوگوں کے حق میں قابل قبول نہیں ہوگی، خلیفہ

وقت علی مرتضیٰ کے مقدمہ میں بھی قابل قبول نہیں ہوگی، یہ قانونی مساوات ہے، ساری انسانی دنیا کے اندر مومن ہو، کافر ہو، برہمن ہو، چمار ہو، سید صاحب ہو معمولی سا آدمی بازار میں کام کرنے والا اور جوتے گانٹھنے والا ہو، عزت اور قانون کے یکساں نفاذ کے اندر سب کو برابر درجہ حاصل ہے۔

قانون کون بنائے؟

لوگو! دنیا کو ایک ایسے موحد اور یکساں قانون کی ضرورت ہے کہ ساری انسانیت کے لئے تنہا ایک قانون اور یکساں قانون ہو، جو پوری کائنات کو ایک نظر سے دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اگر ہندوستان کی پارلیمنٹ کوئی قانون بناتی ہے تو امریکن کے مفادات کی شاید حفاظت نہ ہوسکے، امریکن کانگریس اگر کوئی قانون بناتی ہے تو ضروری نہیں کہ وہ ہندوستانی مفادات کی حفاظت کرے، اگر انگلینڈ میں ایک قانون بنتا ہے تو ضروری نہیں کہ ملکہ برطانیہ سعودی عرب کی بھلائی اور وہاں کے شہریوں کی بھلائی کو دیکھ سکے، اس لئے ہم تو ہر ایک کو شک کی نگاہ سے دیکھیں گے، ہم ہندوستانی، امریکن قانون کو امریکن، برٹش کے قانون کو برٹش شہری، سعودی کے قانون کو سعودین، عراقیوں کے قانون کو اور عراقی کویت کے پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قانون کو، انسانوں کو اپنی ایسی بنائی ہوئی قانون ساز اسمبلیز اور لیجسلیٹو جب بھی کوئی قانون بنائیں گے تو ان کے بارے میں یہ امکان رہے گا کہ وہ دوسرے کے حقوق کی حفاظت نہ کرپائیں گے، اس لئے ایک ایسے قانون ساز کے پاس چلو جس کے پاس آدمی آدمی کا، ملک ملک کا، نسل نسل کا کوئی فرق نہیں ہے اور وہ صرف اللہ ہی ہوسکتا ہے، جو خالق و مالک ہے، اسی نے اپنے ہاتھوں سے امریکن کو بنایا، اس نے عربوں کو بنایا، اسی نے عجم کے لوگوں کو بنایا، اسی نے ہندوستان کے لوگوں کو بنایا، اس کی نظر میں آدمی اور آدمی کے بیچ کوئی فرق نہیں ہے۔

اس لئے اسلام کی عالمگیریت اور قانون کی وحدت ساری انسانی کائنات کے لئے اس

لئے قابل قبول ہے کہ اس کائنات کا پیدا کرنیوالے کی نگاہوں میں ساری مخلوق برابر ہے، **الـخلق عيــال الـلــه** ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، جو ان سے جتنا پیار کرے گا اللہ اس سے اتنا ہی پیار کرے گا، اسی لئے قانون سازی کی اساس اللہ کی مرضی پر رکھی گئی ہے، پس ایک ایسا قانون جس کا بنانے والا تمام ہی زیر قانون آنے والے لوگوں کے ساتھ برابر کا ربط رکھتا ہو، وہی قانون اس لائق ہے کہ ایک عالمی قانون کی حیثیت اختیار کر سکے۔

شریعت اسلامی وسعت اور مختلف ماحول کا ساتھ دینے کی صلاحیت

اسلام جن اعمال کا مطالبہ کرتا ہے ان میں بھی وحدت ہے۔ آپ سوچتے ہوں گے کہ کیسے ہوسکتا ہے۔ جی ہاں، اس وقت میرے لئے یہ صدری (واسکٹ) مصیبت ہورہی ہے، گرمی لگ رہی ہے، لیکن ابھی چند دن پہلے میں لندن میں تھا تو سردی سے ٹھٹھر رہا تھا، وہاں دو دو لحاف کی ضرورت پڑ رہی تھی، موسموں کا یہ فرق، سردی اور گرمی کا یہ فرق، لباسوں کی تراش خراش کا یہ فرق، لباسوں کی پسند اور ناپسند کا فرق، بے شک ایسا ہوسکتا ہے۔ لیکن ہر قانون کے اندر تفصیلات کے پیچھے ایک کلی قانون ہوتا ہے، اس کی اہمیت ہے، لباس کی بات آگئی ہے تو ذرا اسار کرا ہی کو بتاتا ہوں، قرآن نے احسان جتایا ہے، آپ پر کہ ہم نے تم کو ننگا نہیں رہنے دیا۔ شیطان نے چاہا تھا کہ آدم وحوا کو ننگا کرے، لیکن ہم نے تم کو لباس فراہم کیا، لباس کا کیا کام ہے؟ "**لباسا يوارى سوأتكم وريشا**" تمہاری شرم کی جگہوں کو چھپانا، ستر کرنا اور زینت لباس کا کام ہے، دوسری جگہ ارشاد ہے، یعنی لباس ہی ہے جس سے سردی اور گرمی کے موسم کے اثرات سے تم اپنی حفاظت کر سکتے ہو، تو بنیادی بات لباس میں یہ ہے کہ ساتر اور پردہ پوش ہو، زینت وآرائش ہو، گرم اور سرد موسم کے اثرات سے تمہاری حفاظت کرے، نیز حضور ﷺ نے فرمایا کہ لباس ایسا نہ پہننا جس سے تکبر کا اظہار ہو، یہ اندر دل کی حالت صحیح کرتا ہے، پس اگر غرور وتکبر کا اظہار نہ ہو، پردہ پوشی کا جو تقاضا ہے پورا ہورہا ہے، زینت وآرائش بھی ہے اور ساتھ ساتھ گرم وسرد موسم کے اثر

سے حفاظت بھی ہے، یہ ہے لباس کا انٹرنیشنل اصول جو قرآن نے تم کو دیا ہے، اب یورپ کی ٹھنڈی راتوں میں، افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں اور بنگلور کے معتدل موسم میں جہاں چاہو اور جس قسم کے لباس چاہو، ان چند اصولوں کی رعایت کرتے ہوئے استعمال کر سکتے ہو۔

یہ ہے انسانی قانون کی وہ یکسانیت جو خالقِ کائنات نے آپ کو دی ہے، میں نے ایک چھوٹی سی مثال آپ کو دی ہے، اسی طرح تمام تفصیلات ہیں، یہ اس لئے بھی کہنا ضروری ہے کہ ہم نے قانون کے جو سیدھے سادھے مظاہر ہیں ان کو اصلی روپ اور روح قانون کی حیثیت دے دی ہے، اس طرح کی رسمیں ہم پر مسلط ہوگئی ہیں، اصول کو سامنے رکھا جائے تو ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور مظاہر کو مقصود سمجھ لینے کی صورت میں ذہنی تنگی پیدا ہوجاتی ہے، اسی لئے اب ہم لوگوں کا حال یہ ہے کہ کوئی شخص ہمارے رواج کے مطابق کپڑا نہ پہنے تو ہم کو اس کا مسلمان ہونا بھی مشکوک معلوم ہوتا ہے، جب ہم پوری کائنات اور پوری دنیا کی بین الاقوامی صورتِ حال کو سمجھیں گے تو وہاں ہم کو اسلام کی رہنمائی ملے گی، اصولوں کی پابندی ہر جگہ ہونی چاہئے۔موسم اور زمانے اور وقت اور ملک کے حالات کے نتیجے میں جو فرق آئے گا وہ ظاہر کا فرق ہوگا۔لیکن قرآنی اصولوں کی بنیادی حقیقتیں ہر جگہ موجود ہیں، اسی لئے قانونِ اسلامی کی ایک ایسی زبردست بین الاقوامی تعبیر جو پوری کائنات انسانی کو جوڑنے والی ہو،شریعت کے مقاصد سے ہم آہنگ ہوسکتی ہے اور وہ تعبیر جو وقت، زمانے، ملک اور جغرافیائی حد بندیوں کے تناظر میں ہو، پوری بین الاقوامی دنیا پر مسلط کردینے کی کوشش، میں سمجھتا ہوں کہ اسلام کے قانون کی صحیح ترجمانی نہیں ہوسکتی، میں احتیاط کا قائل ہوں، لیکن بنیادی طور پر یہ بات ضرور سمجھنا اور سمجھانا چاہتا ہوں کہ قانون کی اصل بنیادیں وحدتِ انسانی، وحدتِ الٰہی اور وحدتِ رسالت ہے، اصول وکلیات پوری کائنات کے لئے ایک قانون وضع کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔تفصیلات اور مظاہر کا فرق محض ظاہری فرق ہے، روح شریعت ایک ہے اور یہ کوئی جوہری فرق نہیں ہے، میں نے محض

مثال دے کر اس کو سمجھایا ہے۔

پس لوگو! حضور اقدس ﷺ کی رسالت کا دائرہ عربوں تک محدود نہیں۔ قرآن کی جو آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی وہ کہتی ہے "قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا" اے رسول آپ کہہ دیں کہ اے تمام انسانو! میں تم سب کے پاس اللہ کا رسول ﷺ بن کر آیا، ممکن تھا کہ کوئی عربی جاننے والا شخص تخصیص کی کوشش کرتا کہ شاید انسانوں سے مراد عرب اور مکہ کے انسان ہیں، تو قرآن نے "جمیعا" تاکید کے الفاظ لا کر ان امکانات کو بھی ختم کر دیا ہے۔

یہ ہے حضور ﷺ کے منصب رسالت کی عالمگیریت، اسی لئے اس کو صاف الفاظ میں دوسری جگہ کہا گیا "کافة للناس بشیرا و نذیرا" (سبا:۲۸) ساری کی ساری انسانیت کے لئے آپ ﷺ بشیر و نذیر ہیں۔ اتنا ہی نہیں اس سے بھی آگے بات کہی گئی "وما ارسلناک الا رحمة للعالمین" (الانبیاء:۱۰۷) ہم نے سارے کے سارے سنسار کے لئے، پورے یونیورس کے لئے، جتنے قسم کے عالم ہو سکتے ہیں سب عالموں کے لئے، ہم نے آپ کو اللہ کی رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ یہ ہے جناب رسول اللہ ﷺ کے پیغام کی اہمیت اور اس کی عمومیت اور عالمگیریت۔

قانونی مساوات

میرے بزرگو! میں نے آپ سے قانونی مساوات کی بات کہی، اگر کوئی رعایت مل سکتی تھی تو نبی کو مل سکتی تھی اور نبی کے اہل خاندان کو مل سکتی تھی، لیکن آپ نے اس کو بھی روا نہیں رکھا۔ عرب کے ایک معزز خاندان کی ایک عورت نے چوری کی، پکڑی گئی، اسلام میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ لوگ سفارشیں لے کر آنے لگے۔ حضور ﷺ کے ایک بہت محبوب اسامہ بن زید کو لوگوں نے کھڑا کیا کہ آپ حضور ﷺ سے کہئے، انہوں نے بھی سفارش کرنی چاہی، حضور ﷺ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا، حضور ﷺ اتنی بات کہہ سکتے تھے کہ نہیں اسلام کے قانون میں کوئی فرق نہیں ہے، چاہے وہ شریف ہو یا کوئی اور ہو، سب کا ہاتھ کٹے گا۔ لیکن

حضور ﷺ کو ہماری آپ کی رہنمائی کرنی تھی اور قیامت تک بتادینا تھا کہ نفاذِ قانون میں کوئی رعایت کسی کے ساتھ نہیں ہوسکتی۔ واللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا (خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ نے بھی چوری کی ہوتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا)" صلی اللہ علی سیدنا محمد" یعنی حضور ﷺ اپنے اہلِ خاندان کے لئے بھی نفاذِ قانون میں کوئی رعایت حاصل کرنے کو تیار نہیں۔

اس طرح قیامت تک کے انسانوں کو بتادیا کہ قانون کے نفاذ میں کسی کو کوئی رعایت نہیں ہوگی، ایسا ہی قانون تو عدل اور انسانوں کے درمیان مساوات قائم کرسکتا ہے، اس جمہوریت کے دور (کو جمہوریت جس کی وجہ سے بے شک ہم اپنے ملک پر فخر کرتے ہیں اور ملک کے باہر بھی فخر کرتے ہیں) میں بھی ملک کے صدر جمہوریہ اور ملک کے وزیر اعظم کچھ مراعات اپنے پاس رکھتے ہیں، اور ریل کے ڈبوں میں دیکھتا ہوں کے ایم ایل اے صاحب، ایم پی صاحب اور فلاں صاحب کے لئے کچھ مخصوص رعایتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ان کے خلاف انتظامی عملہ غیر قانونی حرکتوں پر زبان نہیں کھول سکتا۔ وہ انصاف کی سرحدوں کو چھوڑنے پر مجبور رہتا ہے، لیکن ہمارے آقا ﷺ کے یہاں اس کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، یہی مزاج آپ سے آپ کے صحابہ نے حاصل کیا، سیدنا عمر فاروقؓ خلیفہ وقت سے قحط کے زمانے میں آکر لوگوں نے کہا کہ اب ایسا بھی تو نہیں ہے کہ گندم بالکل ہی نہ ملتا ہو، آپ اپنا کھانا تو کم از کم گیہوں کی روٹی کھایا کیجئے۔ حضرت عمرؓ نے قیامت تک آنے والے انسانوں کو ایک اصول دے دیا، وہ اصول یہ ہے کہ عوام کی ذمہ داریوں کے اعتبار سے خلیفہ سب سے پہلے ہے اور سرکاری محاصل اور وسائل کے اعتبار سے خلیفہ کا نمبر سب سے آخری ہے۔

صلاحیتوں کا صحیح اور غلط استعمال ہی خیر وشر ہے

میرے عزیز دوستو! انسان خیر وشر کا آمیزہ ہے، دو چیزیں گوندھ کر اگر آپ ایک

کر دیں، آٹے کے ساتھ کوئی اور چیز، شہد یا زہر ملا دیں تو ایک آمیزہ بنتا ہے، انسان میں خیر بھی ہے، شر بھی ہے۔ انسان میں اللہ نے دسیوں قسم کی قوتیں رکھی ہیں، ان قوتوں کا صحیح استعمال خیر بن جاتا ہے، غلط استعمال شر بن جاتا ہے، انسان میں غضب ہے، غصہ ہے، یہ غصہ کبھی ضروری ہوتا ہے، جب تم اللہ کی نافرمانی ہوتی ہوئی دیکھو گے، جب اللہ کی وحدت کا انکار دیکھو گے، جب خدا کے احکام کو ٹوٹتا ہوا دیکھو گے، جب حضور اقدس ﷺ کی سنتوں کو پیروں سے کچلتا ہوا دیکھو گے تو اندر سے غصہ آئے گا اور غصہ آنا چاہئے، اور کبھی یہی غصہ ظلم کی بنیاد بن جاتا ہے، جبلہ ابن ایہم کعبہ کا طواف کر رہا ہے۔ اپنے علاقہ کا بادشاہ ہے، اسے معلوم نہیں کہ اسلام نے کیا انقلاب پیدا کر دیا ہے، انسانوں کے درمیان کیسا عدل و انصاف قائم کیا ہے، لمبی چادر اس کے پیچھے پیچھے گھسٹ رہی ہے، پیچھے سے ایک دیہاتی بدو بھی طواف کر رہا ہے عین دوران طواف اس کا پیر اس کی چادر پر پڑ گیا، اللہ کے دربار میں بھی اس کی عزتِ نفس جاگ اٹھی، اگر وہ اتنا سوچتا کہ مجھے غصہ آیا ہے تو اللہ کو مجھ پر بھی غصہ آسکتا ہے، میں اس سے معافی کی امید رکھتا ہوں، تو کیوں نہ میں اس کی غلطی پر بھی معافی کا برتاؤ کروں، تو اس کے لئے سہہ جانا آسان ہو جاتا، مگر ایسا نہیں ہوا، یہ مڑے اور ایک طمانچہ اس بدو کے چہرے پر مار دیا، اب معاملہ آتا ہے سیدنا فاروقؓ کے سامنے، ایک طمانچہ کوئی بڑی بات نہیں تھی، وہ ایک بادشاہ وقت کی نسبت سے جو غسان کا بادشاہ تھا، اس کی مملکت جغرافیائی اعتبار سے ایسی نازک پوزیشن پر تھی کہ وہ اسلامی سلطنت کو بہت کچھ نقصان پہنچا سکتا تھا، اس لئے کہ اس مملکت سے ملا ہوا غساسنہ کا وہ قلعہ تھا جو جنگی نقطۂ نظر سے بہت اہم تھا اور اس کے بادشاہ جبلہ ابن ایہم کا مسلمان ہو جانا مسلمانوں کے لئے بہت بڑی نعمت گنا جاتا تھا۔ اور ایک معمولی بدو کو بظاہر طمانچہ لگ جانا کچھ بڑی بات نہ تھی، لیکن عمر فاروقؓ جو حقیقی معنوں میں رمز آشنائے دین تھے اور دین وشریعت کی روح ومزاج سے واقف تھے انہوں نے کہا کہ تم یا تو اس سے معاف کرواؤ یا تم کو بھی وہ ایک طمانچہ مارے گا، لوگوں نے کہا کہ مصلحت یہی ہے کہ اس

معاملہ کو ختم کروا دیجئے، ورنہ ہمارے لئے بڑے نازک مواقع پیدا ہوں گے، سیدنا عمر فاروقؓ نے کہا کہ یہ نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ غلبہ دین اللہ کا کام ہے، ہم نے اگر ایک ذرہ برابر اس میں صلح کی اور مداہنت کا راستہ اختیار کیا، تو پھر قیامت تک اسلام کے قانون اور اصول کی حفاظت نہیں ہوسکتی، یہ اصول دیا سیدنا عمر فاروقؓ نے، آنحضور ﷺ کی تعلیمات اور قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں۔

بہر حال میں کہہ رہا تھا کہ انسان میں غضب ہے، انسان میں رحم اور مہربانی بھی ہے، آپ بڑے رحم دل ہیں بڑے مہربان ہیں اور اس رحم اور مہربانی میں آپ ایک قاتل پر مہربانی فرما رہے ہیں۔ایک پیشہ ور قاتل کو کہتے ہیں کہ معاف کردو، یہ غلط ہے، یہ رحم کا نہیں، غضب کا موقع ہے، اسی لئے آج یورپ کہتا ہے کہ قاتلوں کو پھانسی اور بدکاروں کو رجم کی سزا مت دو، قرآن نے کہا "لا تأخذكم بهما رافة" ان لوگوں کے معاملہ میں رحم اور رافت نہیں ہے، یہ انسانیت پر ظلم ہے، اس لئے کہ قاتل جب ایک آدمی کو قتل کرتا ہے تو گویا اس نے ساری انسانیت کو قتل کردیا، یہ نہایت اہم نظریہ ہے اسلام کا کہ ایک آدمی کا قتل دراصل پوری کائنات انسانی کا قتل ہے، جان کی حفاظت اور انسانی جان حرمت کے بیان کے لئے اس سے زیادہ بلیغ تعبیر آج تک نہیں کی گئی ہے اور ایک کی جان بچالینا پوری انسانیت کو حیات دینے کے برابر ہے "فكانما احيا الناس جميعا" (مائدہ:۳۲) اور قرآن کی عجیب تعبیر ہے کہ "لكم في القصاص حياة يا اولى الالباب" (البقرہ:۱۷۹) قصاص کے اس قانون میں حقیقتاً زندگی اور حیات ہے عام آدمی سمجھے یا نہ سمجھے، اولی الالباب، اے عقلمندو! تم تو سمجھو کہ کتنی بڑی حیات اور زندگی ہے، رحم بہت اچھی چیز ہے، لیکن اگر رحم کسی قاتل پر کیا جائے تو بہت بری چیز ہے، سخاوت بہت اچھی چیز ہے، خوب کھلایئے، خوب پلایئے، خوب لوگوں کو دیجئے، لیکن ایسی سخاوت کہ سب لٹا کر مفلس ہوجایئے مذموم و ناپسند ہیں، خرچ احتیاط سے کرنا بہت اچھی بات ہے، لیکن اتنی احتیاط کہ کنجوسی کی حد تک

پہنچ جائے اتنی ہی مذموم ہے،"لا تجعل یدک مغلولة إلی عنقک و لا تبسطها کل البسط" (الاسراء:۲۹)ایک میں ندامت ہے اور ایک میں حسرت ہے، نہ کنجوسی کرنا اور نہ فضول خرچی اور اسراف، دونوں غلط ہیں، بہر حال انسان مختلف ومتضاد صفات کا مجموعہ ہے اور یہی صفتیں انسان کی قوت کا راز اور انسان میں خیر وشر کا سرچشمہ ہیں اور یہی صفتیں ہیں کہ ان کا بے جا استعمال انسان کو انتہائی برا بھی بنا دیتا ہے۔

انسانی صلاحیتوں کی بابت مذاہب کا رویہ

اب آیئے اور مذاہب سے پوچھئے، میں نہیں سمجھتا کہ مہاتما بودھ نے کہا ہو، لیکن ان کی طرف نسبت کرنے والے کہتے ہیں کہ تزکیہ یعنی روح کو صاف کرنے کے کام میں لگے رہو، یعنی انسانوں کے اندر چھپی ہوئی ان تمام عظیم الشان قوتوں کو روک دو، یہ ہے دراصل بودھ دھرم کی اس تعلیم کا نتیجہ جو ان کی امت آج دے رہی ہے، انسانوں کی قوتوں کے استعمال کے استعمال کو روک دو، عیسائی پادری راہب آتا ہے اور سیدنا عیسیٰ کی طرف منسوب کر کے کہتا ہے کہ رحم کرنا، اگر کوئی شخص ایک تھپڑ مارتا ہے، تو دوسرا گال بھی پیش کر دینا، اس پر بھی طمانچہ مارو، ظاہر ہے کہ فطرتِ انسانی اس طرح کے قانون کو قبول نہیں کر سکتی، ایک طرف یہ افراط ہے تو دوسری طرف وہ لوگ ہیں، جو ان قوتوں کو اس طرح استعمال کرنا چاہتی ہیں کہ ان پر کوئی پابندی قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں، لوگو! اللہ کی دی ہوئی ان فطری قوتوں کا استعمال روک دینا غیر فطری بات ہے، ایک ہی قوت اور ایک ہی صفت کو تمام صفات پر غالب کر دینا بھی غیر فطری اور اللہ کی دی ہوئی ان قوتوں کا بے جا استعمال ہے۔ صراط مستقیم ان دونوں کے درمیان میں ہے اور وہی راستہ ہے، جس کو لے کر حضور ﷺ تشریف لائے ہیں، ہر فطری قوت اور صلاحیت کا صحیح موقع ومحل میں استعمال کیا جائے نہ ظلم کرو نہ ظلم کئے جاؤ"لا تظلمون و لا تظلمون"نہ تم کو ظلم کرنے کی اجازت ہے نہ تم پر کسی کو ظلم کرنے کی اجازت ہے، ان قوتوں کا بے جا استعمال نہیں ہونا چاہئے، اور نہ ان قوتوں کو

معطل کر کے چھوڑ دینا چاہئے۔ یہی دراصل خیر اور شر کا ٹکراؤ ہے اور مذہب کا سب سے بنیادی کام یہی ہے کہ خیر اور شر کے اس ٹکراؤ میں خیر کو غالب کر لے اور شر کو روک دے۔

افراط وتفریط

دوستو! اس بے اعتدال کا نتیجہ کیا ہوا وہ بھی سنو، بے اعتدالی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے عیسائی بھائیوں نے کہا کہ گناہ تو آدم نے کیا تھا، اس لئے ساری کائنات انسانی اور آدم کی ساری اولاد پیدائشی طور پر گناہ گار ہے، یہ بھی ایک ظلم ہے لیکن مصیبت آئی کہ آخر اس گناہ گاروں کی بستی میں نیکو کار ہے کون، اس لئے ان کے عقیدے کے مطابق خدا نے نعوذ باللہ اپنے بیٹے کو انسانی صورت میں بھیجا جو مسیح کہلائے، سب کا گناہ معاف ہوگیا۔ یعنی پہلا عقیدہ یہ ہے کہ گناہ تو کوئی کرے اور جرمانہ کسی اور پر جائے، اور دوسرا ہے کہ کفارہ کوئی دے اور سارے لوگ اپنے گناہ سے پاک ہوجائیں، یہ دونوں قانون انسانی فطرت، انصاف اور عدل کے تقاضوں کے خلاف ہیں، قرآن مجید نے کہا ”لا تزر وازرة وزر اخری“ (فاطر:۱۸) ایک گناہ گار کی ذمہ داری دوسرے شخص پر نہیں ڈالی جاسکتی، اور قرآن نے کہا ”من یعمل مثقال ذرة خیرا یره ومن یعمل مثقال ذرة شرا یره“ (زلزلة:۸-۷) جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی خیر کیا تو اس کا بدلہ اس کو ملے گا اور جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی برائی کی تو اس کی سزا اس کو چکھنی پڑے گی، یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت عیسیٰ کے سولی پر چڑھ جانے سے پوری انسانی آبادی معاف کردی جائے اور حضرت آدم کے معاذ اللہ گناہ اور غلطی سے پوری انسانی آبادی کو گناہ گار قرار دے دیا جائے، یہ غلط ہے۔

اے لوگو! ہمارے حضور ﷺ کی ایک شان قرآن نے بتائی ”ویضع عنهم اصرهم والاغلال التی کانت علیهم“ (اعراف:۵۷) انسانیت کی پشت پر جو بھاری بوجھ لوگوں نے لاد دیا تھا اور اس کے پیروں میں جو بیڑیاں ڈال دی تھیں۔ ہمارے حضور ﷺ ان بیڑیوں کو کاٹنے اور اس بوجھ کو اتارنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ ”صلی اللہ علی سیدنا

محمد''۔ بے قصور گناہ گاری اور بے عمل پاکبازی کی پوری تھیوری کو ختم کر دیا جناب محمد رسول اللہ نے آ کر، اس لئے کہ یہ صحیح نقطہ نظر نہیں تھا، یہ پادریوں اور راہبوں کا گھڑا ہوا قانون تھا ''یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ''(اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے)ہر انسان خود اپنے عمل کا جواب دہ ہے، یہ انسانیت کے ارتقاء، آدمیت کی ترقی اور انسان کی قوتوں کے صحیح استعمال کے لئے نہایت اہم محرک ہے، یہی احساس انسانیت کی عظمت کا راستہ کھولتا ہے۔لوگو! اسی لئے جب یورپ اور مغرب نے دیکھا کہ عیسائیت انسانیت کو مفلوج اور اس کی قوتِ عمل کو معطل کر کے رکھ دیتی ہے تو مذہب سے انحراف اور بغاوت کا راستہ اختیار کیا، نہ یہ درست ہے کہ جو جی میں آیا کرتے جاؤ اور نہ یہ ہوسکتا ہے کہ ساری قوتوں کو معطل کر کے رکھ دو، ساری قوتوں کا صحیح استعمال جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی روح ہے۔

اسلامی اور مغربی تہذیب میں بنیادی فرق

حضرات! اب اس بات پر غور کیجئے کہ اسلامی تہذیب جو عطیہ ہے پیغمبر اسلام ﷺ کا اور مغربی تہذیب کے مزاج و مذاق میں بنیادی اور جوہری فرق کیا ہے؟ جیسا کہ میں نے عرض کیا، اسلام قوت عمل کو ابھارتا اور انسانی صلاحیت کو کام میں لاتا اور اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، لیکن اسے لگام بھی دیتا ہے، اس کو بے قید نہیں چھوڑتا۔ اسلام کا تصور آخرت نہایت مکمل ہے، جزاء اور انعام کی ترغیب اور ''اجر بقدر عمل'' کا اصول انسان کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرے اور عذاب ومواخذہ کا خوف اور جس کا تصور ہو اسی کو سزا کا قاعدہ انسان کو حدود وقیود کا پابند رکھتا ہے، مغرب کے اس تصور نے کہ حضرت مسیح کی قربانی نے انسانیت کے سارے گناہ دھو دیئے ہیں۔ایسی بے قید اباحیت پیدا کر دی ہے کہ جس کی کوئی سرحد ہی نہیں، اس نے اخلاقی اقدار کا نام ونشان مٹا کر رکھ دیا ہے، دوسری طرف عیسائیت میں رہبانیت کا تصور

انسان کی عملی قوت کو مفلوج کر دیتا ہے اور ایک غیر فطری بات ہونے کی وجہ سے سماج کو اس بات پر مجبور کر دیتا ہے کہ وہ سرے سے مذہب ہی سے بغاوت کر جائے اور اپنی گردن کو آزاد کرا لے۔ ان دونوں باتوں نے لذت پرستی کو جنم دیا ہے اور مادیت پرستی کو انسانی زندگی کی منزل مقصود بنا کر رکھ دیا ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ مغرب میں کوئی خوبی ہی نہیں ہے، اس کی بعض اخلاقی خوبیوں اور انسانی قدروں کا معترف ہوں، معذوروں کی خدمت کا جذبہ، یہ بات کہ ان کے یہاں کوئی شخص بے کار نہیں رہ سکتا، کوئی بھوکوں نہیں مر سکتا۔ سوشل سیکوریٹی ان کو ضرور کھلائے گی، میں نے ان میں بہت سی خوبیاں آنکھوں سے دیکھی ہیں، مجھے لگتا ہے کہ ان کے یہاں یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی برکتوں کا چھینٹا پہنچا ہے اور افسوس کہ یہ برکت ہمارے سماج سے اٹھتی جا رہی ہے، ہمارا حال یہ ہے کہ پڑوسی بھوکا ہے، ہم عمدہ غذا کھاتے ہیں، ہمارے بھائی کو کپڑا میسر نہیں، ہم اچھے سے اچھے کپڑے پہنتے ہیں۔ اپنے گھر میں اچھا سے اچھا فرنیچر رکھتے ہیں اور ہزاروں روپے کے قیمتی قالین اور پردے بچھاتے اور لگاتے ہیں، اور ہمارے پڑوس میں ایسے غریب و نادار بھائی بھی موجود ہوتے ہیں جن کو سر چھپانے کے لئے ایک سائبان بھی میسر نہیں، اور بیسیوں افراد ہیں جو ٹھنڈک میں ٹھٹھر کر اپنی جان دے دیتے ہیں کیا یہی اسلام کی تعلیمات ہیں؟ اور یہی پیغمبر اسلام کے دیئے ہوئے اخلاق ہیں؟

اگر جوہرِ ایمان حاصل ہو جائے

حقیقت یہ ہے کہ مغرب کو اگر جوہرِ ایمان حاصل ہو جائے تو وہ انسانیت کا صحیح نمونہ بن جائے۔ لیکن افسوس کہ مادیت کے جنون نے ان کو بدمست کر رکھا ہے، ان کے یہاں انسانیت صرف پیٹ کا نام ہے بصرف یہی فکر ہے کہ دولت کہاں سے آئے؟ انسان محض ایک کمانے والا جانور ہے۔ وہ اخلاق کو، جنگ و صلح کو اور زندگی کے ہر مسئلہ کو صرف اور صرف معاشی نقطہ نظر

سے دیکھتا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ صبح ہوتے ہی مرد وعورت آفسوں کو نکلتے ہیں۔ رات گئے واپس آتے ہیں، اتوار کو بچوں سے ملاقات ہوتی ہے، پانچ دن بے تکان محنت کر کے کماتے ہیں، اور دو دن مجنونانہ عیش کے ذریعہ گنواتے ہیں، وہ عقل مجرد کے قائل نہیں ہیں، وہ عقل مادی کے قائل ہیں، وہ ہر علم اور ہر عمل کا مطالعہ صرف اس نقطہ نظر سے کرتے ہیں کہ اس کا معاشی فائدہ کیا ہوگا؟

مغربی تہذیب میں خاندانی نظام کا بکھراؤ

مغرب کا خاندانی نظام ٹوٹ چکا ہے۔ نکاح کا اوسط کم سے کم ہوتا جارہا ہے اور وہ اکبر الہ آبادی کا شعر ’’کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جاکر‘‘ کا مصداق بنتے جارہے ہیں، اکبر نے تو شاید اتنا بڑا تماشہ دیکھا بھی نہ ہو، آج یورپ میں بڑا فرمانبردار بیٹا وہ ہے کہ ماں باپ بیمار ہوجائیں تو ہسپتال میں ڈال کر آجائے اور ان کا بل برداشت کرلے، بلکہ اب تو ہیلتھ انشورنس کے بعد اس کی بھی ضرورت نہیں رہی، اگر ہفتہ میں ایک بار بیمار ماں باپ کو دیکھ آیا تو یہی بڑی فرمانبرداری اور صالحیت ہے، نہ وہاں ماں باپ کو یہ لذت ملتی ہے کہ اولاد کے سر پر ہاتھ رکھ کر تھپکیاں دے اور نہ بال بچے اس لذت سے آشنا ہیں کہ مشفق باپ کی پنڈلیاں دبانے اور ممتا کی ماری ماں کے سر پر تیل رکھنے اور مالش کرنے میں کیا لذت اور روحانی سرور پنہاں ہے؟

اب تو بات اس سے اور آگے بڑھ گئی ہے، والدین بہت بیمار ہیں تکلیف اٹھا رہے ہیں، تو کیوں اولاد پر اور ڈاکٹروں اور نرسوں پر بوجھ بنے رہیں۔ ان کو زہر کے انجکشن دے دیئے جاتے ہیں یا علاج ہی ترک کردیا جاتا ہے، تا کہ ان کو تیمارداروں سے اور تیمارداروں کو ان سے نجات مل جائے اور اسکو ایک خوبصورت نام ’’قتل بہ جذبہ رحم‘‘ کا نام دیا گیا ہے۔

مغرب کی اخلاقی سطح اس درجہ گر گئی ہے کہ اس کے ذکر میں بھی حیاء آتی ہے، عورتوں کو تو آزادی اور ترقی کے نام پر بے لباس کیا اور اس کی عزت وناموس کو برسر بازار نیلام کر کے چھوڑا، اب تو لذت پرستی حیوانیت سے بھی گذر گئی ہے، یورپ میں اس وقت ’’ہوموسیکس‘‘ یعنی ہم جنسی کا

ایک طوفان سا آیا ہے اور بڑے بڑے عقلاء روزگار اس کو قانونی جواز دینے کے لئے تحریک چلا رہے ہیں۔ چند لوگوں نے اس کی مخالفت کی تو پوری قوم نے شدید مخالفت کے ذریعہ ان کا ناطقہ بند کر کے رکھ دیا، یہ قرآن مجید کے اس ارشاد کی کھلی تفسیر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ''احسن تقویم'' میں پیدا کیا لیکن وہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں گر جاتا ہے۔''ثم رددناہ اسفل سافلین''۔

سیرت محمدی – درد کا درماں!

بھائیوں! یہ اخلاقی بحران اور روحانی خلاء مغرب کے ضمیر کو بے چین کئے ہوئے ہیں۔ اور وہ تسکین دل وجان کی خاطر منشیات کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ بعض لوگ ''سنتوں اور سنیاسیوں'' کے ساتھ روحانیت کا راستہ اختیار کر رہے ہیں، لیکن یہ سب دراصل کائنات کے فطری تقاضوں سے گریز اور بغاوت کے راستے ہیں۔ یہ نہ فرد کو سکون دے سکتے ہیں اور نہ سماج کو، ان تمام محرومیوں کا علاج اگر ہوسکتا ہے تو دربار محمدی ﷺ سے، آپ ہی کی سیرت طیبہ میں انسانیت کے لئے شفاء ہے، سکون ہے، درد دل کا علاج ہے، طمانیت قلب کا سامان ہے، بلکہ روح کی غذا ہے اور انسانی زندگی کے لئے حقیقی روشنی اور رہبری ہے، کوئی سماج اسوہ نبوی سے بے نیاز ہو کر حقیقی مسرت وشادمانی سے سرفراز نہیں ہوسکتا۔ پس اللہ کی وحدانیت، رسالت کے تمام پیغاموں میں پھیلی ہوئی اس سچائی کی وحدت، انسانیت کی وحدت، عمل کی وحدت، قانون کی وحدت کے اساس پر آخرت پر یقین کے ساتھ چلنے والا انسان اس دنیا کے مسائل کو حل کرسکتا ہے، یہ ہے پیغام حضور اقدس جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا۔ اللہ ہم کو اور آپ کو حق اور خیر کی توفیق عطا فرمائے۔

سلام ! اے آتشیں زنجیر باطل توڑ نے والے
سلام اے خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والے

خطبات بنگلور اوّل

(پانچواں خطبہ)

سیرت نبوی کا پیغام-امت محمدیہ کے نام!

’’وہ حکمراں بھی رہے ہیں، وہ فوج کے جرنیل بھی رہے ہیں، اور وہ صلح کی میز پر بھی بیٹھے ہیں۔ وہ ایک اچھے شوہر کی حیثیت سے بھی نمونہ ہیں، اچھے بھائی اور اچھے چچا کی حیثیت سے بھی۔ اچھے دوست اور اچھے ساتھی کی حیثیت سے بھی۔ انفرادی، اجتماعی، سیاسی، معاشرتی، معاشی اور جتنی قسم کے انسانی حالات ہوسکتے ہیں، اور ان پر مستزاد آخرت کی فلاح کے لئے اور مرنے کے بعد جو زندگی آنے والی ہے، اس کی بھلائی اور اس کی کامیابی کے لئے جو نمونہ ہوسکتا ہے، وہ سارے نمونے حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں موجود ہے‘‘۔

{۱۳۳}

الحمد لله رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

برادران اسلام اور میری بہنو! آج یہ آخری خطبہ ہے، اس سلسلہ کا آخری خطبہ، لیکن سیرت ایک ایسا وسیع وعریض اور اتھاہ سمندر ہے جس کا کوئی حصہ آخری نہیں ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا صاحب علم بھی زندگی کے اپنے طویل سے طویل اوقات صرف کردے پھر بھی وہ سیرت کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی لائف انسانی زندگی کے ہر حصہ پر محیط ہے، انسانی زندگی کا کوئی شعبہ اور ہیومن لائف کی کوئی برانچ ہو، اس کی جتنی بھی کیفیات ہوسکتی ہیں، ان میں سے کوئی کیفیت ہو، باہمی تعلقات کی جتنی قسمیں ہوسکتی ہیں، وہ ساری قسمیں ایک فرد کی حیثیت سے ایک اجتماع کی حیثیت سے اور ایک جماعت، ایک سوسائٹی کے ایک رکن کی حیثیت سے، انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی، معاشرتی زندگی کے جتنے حصے ہیں، چاہے میاں بیوی کے تعلقات ہوں، اولاد اور والدین کا رشتہ، بھائی بھائی اور بھائی بہن کا رشتہ، پڑوسی کا رشتہ اور انسانوں کی معاشیات کے مسائل، کیا کمائیں؟ کیسے کمائیں؟ اور کیسے خرچ کریں؟ پوری انسانی زندگی اور پوری دنیا کی معاشی حالت اور ان کی اکونومی کی درستگی کا راستہ کیا ہوسکتا ہے؟ اخلاق کی بنیادیں کیا ہیں؟ اخلاق میں بنیادی چیز کیا مطلوب ہے؟ کس لئے اخلاق برتا جائے؟ اخلاق کی جڑیں کہاں ہیں؟ یہ اور اس طرح کے لاکھوں موضوعات ہیں جن پر جناب رسول اللہ ﷺ کی زندگی حاوی ہے۔

وہ حکمراں بھی رہے ہیں، وہ فوج کے جرنیل بھی رہے ہیں اور وہ صلح کی میز پر بھی بیٹھے ہیں۔ وہ ایک اچھے شوہر کی حیثیت سے بھی نمونہ ہیں۔ اچھے بھائی اور اچھے چچا کی حیثیت سے

بھی۔ اچھے دوست اور اچھے ساتھی کی حیثیت سے بھی۔ انفرادی، اجتماعی، سیاسی، معاشرتی، معاشی اور جتنی قسم کے انسانی حالات ہوسکتے ہیں، اور ان سب پر مستزاد آخرت کی فلاح کے لئے اور مرنے کے بعد جو زندگی آنے والی ہے، اس کی بھلائی اور اس کی کامیابی کے لئے جو نمونہ ہوسکتا ہے وہ سارے نمونے حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں موجود ہیں۔ اس لئے کوئی بھی بیٹھ جائے، پانچ نہیں پچاس خطبات سامنے ہوں۔ پھر بھی اس موضوع کا حق ادا نہیں ہوسکتا، کبھی تو اپنی کم علمی سامنے آتی ہے اور کبھی وقت کی کمی دامن گیر ہوتی ہے۔ خطبات کے اس سلسلے میں آپ کو چاہے کم فائدہ پہنچا ہو لیکن ذاتی طور پر مجھے بہت فائدہ پہنچا ہے۔

ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے!

ہوسکتا ہے دوستوں کو یہ احساس ہو کہ سیرت کے وہ واقعات بیان کرتے ہیں جن کو ہم لوگ جانتے ہیں، عام مواعظ اور تقریروں میں وہ باتیں آتی رہتی ہیں۔ اگر آپ ایسا کہیں تو آپ کا کہنا بالکل درست ہوگا اور میں نے جان بوجھ کر ایسی باتیں دہرائی بھی ہیں۔ دو باتیں ذہن میں ہیں۔ ایک تو یہ کہ مجموعی طور پر آپ سب مل کر شاید سب باتیں جانتے ہیں۔ لیکن انفرادی طور پر ضروری نہیں کہ ہر آدمی ہر بات جانتا ہو۔ دوسری ایک اس سے زیادہ اہم بات وہ ہے دوستو جو کسی شاعر نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بارے میں کہی ہے اور حقیقت ہے کہ یہ بات حضور اقدس ﷺ کی شان میں صادق آتی ہے۔ "اعد ذکر نعمان لنا ان ذکره هو المسک لما کررته یتضوع" نعمان کا ذکر بار بار کرتے رہو۔ اس لئے کہ وہ سراسر مشک کا ڈھیلا ہے کہ جتنا اس کو گھسا جائے گا اتنی ہی اس کی خوشبو پھیلتی چلی جائے گی۔ پس آقا کا تذکرہ جتنا بھی ہم کریں وہ تو مشک ہی مشک ہے۔ اس میں کوئی ملاوٹ تھوڑا ہی ہے۔ اس کو جتنا گھسو اتنا ہی اس کی خوشبو پھیلتی ہے۔ بس آقا ﷺ کا جتنا ذکر کیجئے اتنا ہی اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ اس سے خوشبو ملتی ہے، اس لئے بھی کہ دوستو! "ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے" پس جو وقت بھی ہم نے گذار اور اصل

وصل حبیب میں گذارا ہے۔ اس میں کوئی شک کی بات نہیں۔آپ نے اور ہم نے مل کر یہ مجلسیں سنواری ہے۔ جہاں تذکرہ حضور اقدس ﷺ کے ذریعے ہم نے کچھ عرصے کے لئے اپنے کو وہاں پہنچا دیا ہے۔ جہاں حضور اقدس ﷺ تشریف فرما ہیں۔کبھی ان کا بچپن ہے، کبھی ان کی جوانی ہے، کبھی وہ سفر کے حال میں ہیں، کبھی وہ دعوت کے رستے میں پتھر کھاتے ہوئے دکھائی پڑتے ہیں، کبھی مدینہ میں بیٹھ کر معاملات ومسائل کو حل کر رہے ہیں اور کبھی اللہ کے حضور سر بسجود ہیں۔کبھی وہ معراج کی منزلوں سے گذر رہے ہیں۔غرض یہ کہ حضور ﷺ کی زندگی کا ہر حصہ ایسا ہے کہ جس پہلو پر غور کرو، سامان عبرت پاؤ اور اسوہ حسنہ سے سرفراز ہو۔ ہر جا ذہن کو ایک نئی تازگی حاصل ہو اور دولت طمانیت میسر آئے۔شاعر کی زبان میں:

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ ایں جا است

جس طرح آپ شوق وذوق کے ساتھ آتے رہے ہیں اس سے محسوس ہوتا ہے کہ آپ بھی ایک خاص لذت اور ذوق کے ساتھ اپنے آقا کے اس تذکرے میں شریک ہیں۔ صلی اللہ علی سیدنا محمد۔ بات تو جو مجھے کہنی ہے آگے کہوں گا لیکن اس بیچ میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں، جو بہت زیادہ ذہن پر مسلط ہے۔ چار دن آپ نے خطبہ سن لیا۔ آج پانچویں دن آپ سن رہے ہیں۔ بے شک جتنا بھی سیرت کا عنوان ہے، اس کے اعتبار سے سمندر کے ایک قطرے کے برابر یہ حصہ ہے، جو ابھی تک آپ کے سامنے آیا ہے۔ لیکن بہر حال ان پانچ دنوں میں تقریباً آٹھ گھنٹے کی سیرت جتنی کچھ آپ نے سنی، میں نے اس میں صرف ایک بات کی کوشش کی ہے اور یہ محض اللہ کی طرف سے ہے، اس میں میری کوشش کا کوئی دخل نہیں۔

امت کو جوڑنے والی سیرت

سیرت کے اس تذکرے میں کوئی ایسی بات نہیں آئی ہے جس میں امت کا اختلاف

ہو، یہ بھی بنیادی نکتہ ہے جو آپ کو ذہن میں رکھنا چاہئے کہ سیرت کے اس طویل تذکرہ میں ایک بات ایسی نہیں آئی جس میں امت کا اختلاف ہو اور جھگڑا ہو لڑائی ہو۔ مجھے صرف آپ کو اس طرف متوجہ کرنا ہے، خصوصاً اپنے علماء کو، ارباب عقل و دانش کو، ارباب حل وعقد کو اور ذمہ داروں کو کہ دوستو! سیرت مبارکہ اسلام کی ایک نمائندہ زندگی ہے۔ جن مسائل پر امت کا اتفاق ہے وہ بہت زیادہ ہیں اور جن مسائل میں امت کے درمیان اختلاف ہے وہ بہت کم ہیں۔ پھر ہم کیوں ان مسائل کو چھیڑ کر امت کو ٹکڑیوں میں بانٹتے ہیں جو مسائل تفریق و اختلاف کا باعث بنتے ہیں۔ ہم کیوں نہیں ان مسال کو مضبوطی سے تھامتے ہیں جن سے امت ایک رہے، خاص کر موجودہ حالات میں اور خاص کر ہندوستان میں۔

ان خطبات میں میں نے دو باتوں کی خاص رعایت کی ہے، ایک یہ کہ میں مستند روایات سے گرنے نہ پاؤں اور آپ کو سیرت اس طرح سناؤں جو صحیح روایتوں سے ثابت ہو یا خود قرآن سے ثابت ہو۔ دوسری بات جو میری کوشش نہیں، خود بخود ابھر کر آتی ہے، یہ ہے کہ کتنی ہی تفصیل کے ساتھ ہم سیرت کو بیان کرتے چلے جائیں۔ حضور ﷺ کی سیرت انسانوں کے دلوں کو جوڑے گی۔ دلوں کو توڑ نہیں سکتی۔ پس لوگو! دل یہ چاہتا ہے کہ جو مجلس بھی حضور ﷺ کے نام پر منعقد ہو، جو وعظ بھی حضور ﷺ کی دعوت کے نام پر ہو اور جو اجتماع بھی حضور ﷺ کی تعلیمات کے نام پر ہو، وہ انسانوں اور مومنوں کے دلوں کو جوڑنے والا ہو، ان کے درمیان انتشار پیدا کرنے والا نہ ہو۔ اس کا بنیادی طریقہ یہ ہے کہ آپ اصول کو لیں، جزئیات کے اختلاف کو اختلاف رائے پر محمول کریں۔ جس میں ہمارے آقا ﷺ کا صاف ارشاد ہے کہ جس نے اجتہاد کیا، حقیقت کی یافت کے لئے کوشش کی (میں اجتہاد کی اصطلاحی تعریف میں نہیں جاتا۔ اس کے لئے دلیل میرے پاس یہ ہے کہ اجتہاد کی اصطلاحی تعریف جو فقہاء نے کی ہے۔ یہ لفظ عہد نبوی میں اس معنی میں معروف تھا یا نہیں؟ بہت قابل غور ہے۔ اس لئے کہ نبی نے اجتہاد کی کوئی تعریف متعین نہیں کی ہے اور نبی کے کلام کو نبی کے ماحول میں اور نبی کی لغت میں سمجھنا ہوگا) پس جو شخص

بھی حقیقت اور سچائی کو پانے کی آخری کوشش کرے اور اپنی کوشش میں کوئی کمی نہ چھوڑے، اس کے بعد اگر وہ صحیح نتیجہ پر پہنچا تو اس کے لئے دو ثواب ۔ اگر غلطی بھی ہوئی تو ایک ثواب سے محروم نہیں رہے گا۔ یہ ارشاد ہے جناب رسول اللہ ﷺ کا۔ تو ایسی صورت میں وہ مسائل جو امت کے درمیان مختلف فیہ ہیں ۔ ایسے مختلف فیہ اور مجتہد فیہ مسائل کو منصوص کا درجہ دے کر اس پر کفر اور ضلال وگمراہی کا فتویٰ دے کر امت کو جنگ وجدال میں مبتلا کرتے ہیں ۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وفاداری نہیں ہوسکتی ۔

اے میرے عزیز دوستو! جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض" (بخاری:۱/ ۲۳) تم لوگ ہمارے بعد کفر اور گمراہی میں مبتلا مت ہوجانا کہ تم میں سے ایک دوسرے کی گردن مارنے لگے۔ بات بات پر ایک دوسرے کو کافر، فاسق اور ضال ومضل قرار دینا بھی دراصل معنوی اعتبار سے گردن مارنے اور قتل کردینے ہی کے درجہ میں ہے اور اسی لئے اس حدیث میں ان تمام ہی باتوں کی ممانعت ہے اور جیسا کہ میں نے پہلے بھی آپ سے عرض کیا تھا، آپ کی انتہائی درجہ شفقت اس امت پر ہے۔ آپ ﷺ بہت مہربان ہیں، حضور ﷺ ایک دعا میں فرماتے ہیں کہ اے اللہ! میری امت کو قحط کے عذاب میں برباد مت کیجئے گا۔ ایسا نہ ہو کہ ایسا قحط پڑے، ایسا اکال پڑے کہ لوگ بھوکے مر جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے حبیب! میں نے آپ کی دعا قبول کی اور آپ کی امت کبھی بھی قحط اور اکال کے عذاب میں برباد نہیں ہوگی ۔ یہ تو وعدہ لے لیا گیا ۔ اس لئے آپ کے پیٹ کے مسئلہ کا اطمینان ہے ۔ بھوک سے مریئے گا نہیں انشاء اللہ ۔ دوسری دعا فرمائی کہ میری امت کی گردن پر غیروں کی تلوار مسلط نہ کیجئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے رسول آپ کی یہ دعا بھی قبول مگر ایک شرط کے ساتھ، جب تک آپ کی امت خود اپنی تلوار اپنے بھائی کی گردن پر نہیں اٹھائے گی، تب تک آپ کی امت پر غیروں کی تلوار مسلط نہیں ہوگی۔ لگتا ہے کہ جیسے آج ہمارے

آقا کھڑے ہوکر یہ خبر ہمیں سنا رہے ہوں۔ہم نے زندگی میں بہت تجربے کر لئے ہیں، آج تک کوئی خوش خبری نہیں ملی ہے۔جب ملی ہے تو وہی کہ ہم نے خود اپنی قوت اپنے خلاف استعمال کی ہے اور اس کے نتیجے کو ہم بھگت رہے ہیں۔پس میں بہت دردمندی کے ساتھ سیرت کے اس اہم ترین سلسلہ میں یہ توجہ دلانا چاہتا ہوں آپ کو کہ پڑھئے ہمارے آقا کی سیرت! آقا نے جوڑا ہے دلوں کو، توڑا نہیں ہے!

سلام اے آتشیں زنجیر باطل توڑنے والے
سلام اے خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والے

پس اے حضور کے نام لیواؤ! تم بھی ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے کا کام کرو اور باطل کی زنجیریں تو توڑو لیکن ایسا نہ ہو کہ یہ امت خود ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جائے۔اتنی سی بات ذہن پر سوار تھی، پتہ نہیں تھک جاتا تو اس بات کو کہہ نہیں پاتا۔اس لئے اتنی سی بات میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دی ہے۔

عدل-شریعت اسلامی کی روح!

اب میں آگے بڑھتا ہوں جو دراصل کل کی گفتگو کا تسلسل ہے، ایک بہت اہم بات جس کی طرف میں آپ کو لانا چاہتا ہوں وہ اسلام کا مالی اور معاشی نظام ہے اور یہ بات آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جمعہ کے خطبہ میں جو آیت آپ سنتے ہیں۔تقریباً ہر خطیب خطبہ جمعہ میں اس کو سناتا ہے: "ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون" (النحل:۹۰)''اللہ تم کو حکم کرتا ہے عدل کا، اللہ تم کو حکم کرتا ہے احسان کا، اللہ تم کو حکم کرتا ہے رشتہ داروں کو دینے کا، اللہ تم کو منع کرتا ہے بے حیائی سے، برائی سے اور ظلم سے''۔یہ امہات آیات میں سے ہے۔ان آیتوں میں اس کا شمار ہے جن کی حیثیت پوری شریعت میں اصل اور جڑ کی ہے، جس سے بے شمار قوانین نکلتے ہیں۔

بلکہ اس کی حیثیت اس کسوٹی کی ہے جس پر ہر انسانی عمل کو جانچا اور ہر قانون کی صداقت اور صحت اور اس کی غلطی کو جانچا جا سکتا ہے۔ تفصیل کا تو ظاہر ہے یہ موقع نہیں ہے۔ لیکن میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ عدل کا مفہوم کیا ہے؟

عدل سے مراد

یہ قرآن مجید کی بڑی اہم اصطلاح ہے اور اس میں بہت سے شکوک وشبہات کا جواب موجود ہے۔ آج کل یورپ نے ایک نعرہ دیا ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہونا چاہئے۔ میں نے بھی عرض کیا ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان اللہ کی شریعت میں بحیثیت انسان کوئی فرق نہیں ہے۔ حقوقِ انسانی میں عورت اور مرد دونوں برابر ہیں۔ بحیثیت انسان مرد کو جو عزت اور وقار حاصل ہے وہی عزت اور وقار عورت کو حاصل ہے۔ دونوں کی تکریم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بحیثیت انسان اگر مرد کو پراپرٹی رائٹ حاصل ہے اور وہ اشیاء کا مالک بن سکتا ہے تو اسی طرح عورت کو بھی آزادانہ بلا استقلال بلا کسی دوسرے کی محتاجی کے مالک ہونے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ جیسے ایک مرد کی ملکیت پر دوسرے شخص کو اس کی منظوری کئے بغیر تصرف کرنے کا حق حاصل نہیں ہے، اسی طرح کسی عورت کی پراپرٹی پر بھی اس کے شوہر یا باپ یا بیٹے یا اس سماج کو کسی طرح کا تصرف کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ جتنے احکام بحیثیت انسان شریعت نے دیئے ہیں۔ اس میں کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مرد ایک الگ صنف ہے اور عورت ایک الگ صنف ہے، دونوں کی صنفی خصوصیات ہیں۔ دونوں کو پیدا کرنے والے نے دو مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ دونوں کا دو Purpose ہے، اب اگر وہ مساوات کا اصول وہاں پر برتا جائے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ فطرت کو ہم الٹ دینا چاہتے ہیں، اسی لئے سماج کی بعض ذمہ داریوں میں مرد و عورت کے درمیان فرق کرنا عین منشاءِ فطرت ہے لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ اس

صنفی فرق کی وجہ سے جو احکام دیئے جائیں، ان احکام میں چاہے مرد کو یا خاتون کو کسی طرح کی ذلت کا سامنا کرنا پڑے۔ تذلیل کسی کی نہیں ہوسکتی۔ یہ فرق ہے مساوات کا اور عدل کا، مساوات برابری کا نام ہے اور عدل ہر شخص کی صلاحیت کے لحاظ سے اس کے حقوق وفرائض متعین کرنے کا۔ اسی لئے اسلام عورت اور مرد کے درمیان بحیثیت میاں بیوی عدل کا حکم دیتا ہے۔ ابھی مجھ سے امریکہ میں سوال کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ عورت کو اس طرح نماز پڑھنا چاہئے جس طرح مرد پڑھتا ہے۔ یعنی مسجد میں جانے کی بات تو بہت دور کی ہے ہیئت نماز، سجدہ کا طریقہ، رکوع کا طریقہ، ہاتھ باندھنے کا طریقہ، قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ۔ آخر کیوں آپ لوگ فرق کرتے ہیں کہ مرد اس طرح بیٹھے، عورت اس طرح بیٹھے؟ دراصل ذہن کا سانچہ ہی بدل گیا ہے۔ سوچنے سمجھنے کے انداز تبدیل ہو گئے ہیں، غور وفکر کے پیمانہ ہی میں تغیر آ گیا ہے، ایک غلط سوچ پر غلط نظریات کی عمارت تعمیر ہورہی ہے، اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے ستر اور حجاب کا خصوصی قانون رکھا ہے، اسی لئے نماز میں عورتوں کے لئے اسی ہیئت وکیفیت کو ترجیح دی گئی ہے جس میں نسبتہ زیادہ ستر ہے۔ یورپ نے کیا کیا؟ مرد کو فل سوٹ پہنایا اور عورت کو ننگا کر کے بازار میں گھمایا۔ آپ میں سے کوئی جائے گا تو یہ تماشا اس کی نظر سے دس بار گذرے گا نہ موسم کا اس پر کوئی اثر ہے، نہ کسی اور چیز کا۔ یاد رکھئے! اللہ تعالیٰ عدل کا حکم دیتے ہیں اور عدل کے معنی ہے ہر شئی کو اس کے مناسب اس کا حق ادا کرنا۔ ہر چیز کی جو حقیقت ہے، جو اس کے تقاضے ہیں، جو اس کی اصل فطرت کے مناسب ہے وہ ذمہ داری سونپا اور صحیح حق حق دار تک پہنچا دینا۔ یہ دراصل عدل ہے، اسی لئے مرد یعنی شوہر (میں لفظ شوہر خاص کر کے بول رہا ہوں، اس لئے کہ مرد بیٹا بھی ہے، باپ بھی ہے اور شوہر بھی ہے لیکن جب مردوں اور عورتوں کی بات چلتی ہے تو لوگ زندگی کے تمام دوسرے رشتوں کو بھول جاتے ہیں۔ وہ ماں جس کے پیروں تلے جنت رکھی گئی اور وہ بہن جس کی عزت وآبرو کا محافظ بھائی کو بنایا گیا، اور وہ بیٹی جس کی بہت بڑی ذمہ داری باپ پر ڈالی گئی ہے، اور جس کی محبت

کے ساتھ پرورش کو جنت کی ضمانت قرار دیا گیا ہے۔ان سب کو لوگ فراموش کر جاتے ہیں) پر ذمہ داری رکھی کہ تم کو کمانا ہے،تم ''قوام'' اور گھر کی ذمہ داری کے کفیل ہو،تم جاؤ کماؤ،عورت کی کفالت کرو، یہ بات چاہے ہماری بہنیں کتنی ہی ناپسند کریں،لیکن یہی فطرتِ انسانی کا تقاضہ ہے جس معاشرہ میں عورتوں نے اس اصول سے انحراف کیا ہے وہاں عورتوں کی زبوں حالی کھلا ہوا واقعہ ہے۔مرد نے جب عورت کا استحصال کیا اور اس کو اس کے جائز حقوق سے محروم کیا تو مرد نے عورت کو فیکٹریز میں پہنچادیا اور خود ریٹائرمنٹ لے کر بیٹھ گئے۔سوشیل سیکوریٹی کا پیسہ کھا رہا ہے۔ غرض مرد اپنی ذمہ داریوں سے بھاگ رہا ہے،عورت بہت خوش کہ میں کمانے لگی۔اس نے یہ نہیں سمجھا کہ بچوں کی پرورش کون کرے گا؟ اب بچوں کے لئے گھر تلاش کیا جانے لگا۔غیر عورتوں کے ہاتھ میں ہمارے بچے ڈال دیئے گئے۔یہ مغربی تہذیب کی وہ مصیبت ہے کہ بچوں کو ماں کا پیار نہیں مل پاتا اور کتنی ہی زبردست کرایہ پر لائی ہوئی عورت ہو، وہ بچوں کو ماں کی شفقت اور ماں کا پیار نہیں دے سکتی۔اس کو کوئی بھی عورت اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر سمجھ سکتی ہے۔کوئی غیر نہیں دے سکتا، اگر ماں نہیں دیتی،نتیجہ یہ ہے کہ آنے والی نسل برباد ہورہی ہے۔وہ منشیات میں اور گانے بجانے میں لگ رہی ہے۔وہ ہپی بن رہی ہے مگر اس کا کوئی غم نہیں۔

میرے عزیز دوستو! میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مسلمان ہونے کی قید نہیں۔مجھے یقین ہے کہ انسانی نسل کی اس بربادی پر اگر آنکھ میں آنسو آسکتے ہیں تو حضور اقدس ﷺ کے آسکتے ہیں۔اس لئے کہ انہوں نے جس ہمدردی خیر خواہی اور انسانیت کی، دنیا و آخرت کی، فلاح و بہبودی کی بات کہی ہے وہ ساری کائناتِ انسانی کے لئے ہے۔انہوں نے کہا کہ میں نے دسترخوان بچھایا ہے، بلایا ہے سب کو۔کوئی آیا اور کوئی نہیں آیا۔نہیں آنے والوں کی فلاح کے لئے بھی ہمارے آقا پریشان ہیں۔صلی اللہ علی سیدنا محمد۔آج ہندوستان کی ہزاروں بیٹیاں تلک اور جہیز کی رسموں میں جلائی جارہی ہیں۔یہ جلائی جانے والی بیٹیاں بھی اس طرح جناب رسول اللہ ﷺ کی بیٹیاں ہیں جس طرح فاطمہ زہراء بیٹی ہیں،جس طرح آپ کے گھر کی

کوئی خاتون حضور ﷺ کی بیٹی ہے۔ حضور ﷺ کا غم سب کے لئے ہے۔ حضور ﷺ کا دکھ سب کے لئے ہے۔

پس یہ انسانیت اس کی محتاج ہے کہ عدل کے وہ اصول جو جناب رسول اللہ ﷺ نے دیئے ہیں ان کو دنیا میں رائج کیا جائے۔

قرآن میں ''میزان'' سے مراد

قرآن نے کئی جگہ پر اس کو میزان کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ "الرحمان۔ علم القرآن۔ خلق الانسان۔ علمه البيان۔ الشمس والقمر بحسبان۔ والنجم والشجر يسجدان۔ والسماء رفعها ووضع الميزان۔ "(الرحمٰن: ۷۔۱) ٹھیک ہے وہ میزان عدل، جس پر اعمال آپ کے تولے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے سورج چاند پیدا کیا، اور سورج اور چاند کی ہر رفتار کو کسی باریک سے باریک الکٹرانک آلات یا ترقی یافتہ کمپیوٹر نے جس طرح باندھا ہو اس سے بہتر طور پر باندھ دیا۔ اس کی باریکیوں کو سمجھنے کے لئے انسان کو ابھی علم و تحقیق کے میدان میں اور آگے بڑھنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے کس قدر زبردست باریک بینی کے ساتھ سورج اور چاند کی رفتار کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیا ہے۔ انسان نے کچھ پیدا نہیں کیا ہے لوگو! نہ سائنس نے کچھ پیدا کیا ہے، سائنس نے صرف پیدا کی ہوئی چیزوں پر سے پردہ اٹھایا ہے۔ سائنس کا مقصد مصرف ہی یہی ہے۔ ہمارے دوست ایک کتاب لائے اور سائنس کے کرشمے بتائے اور خود انہوں نے کہا کہ نام اس کا ''قدرت کے کرشمے'' ہونا چاہئے اور صحیح کہا۔ سائنس کوئی کرشمہ نہیں کرتی، سارا کرشمہ تو قدرت نے کر رکھا ہے۔ سائنس کو سر بسجود ہو جانا چاہئے کہ قدرت کے ان رازوں کے کسی حصہ کی یافت ان کو ہو گئی ہے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ "ما اوتیتم من العلم الا قليلا" یعنی تم نے جتنا بھی جان لیا ہو، لیکن جو جانا ہے وہ کم ہے اور جو اب تک نہیں جانا ہے وہ کہیں زیادہ

ہے۔تجسس وتحقیق جو کام ہے تمہارا وہ کرو۔

تخلیق کائنات میں توازن

خدا نے اپنی رحمانیت کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس نے قرآن اتارا اور قرآن کا علم دیا، انسان کو پیدا کیا اور انسان کو قرآن کا علم دیا اور انسانیت کو اپنے اندر کی بات ظاہر کرنے کی صلاحیت دی۔سورج چاند کو بالکل حساب سے پیدا کیا۔بیلیں اور کھڑے درخت، وہ بیلیں جو انگور کی بیل، پھولوں کی بیل جو ٹیوں پر پھیلتی جاتی ہیں اور وہ درخت جو تنوں پر کھڑے ہیں۔یہ سب اسی کے سامنے سربسجود ہیں۔آسمان کو بلند کیا اور ایک میزان رکھ دیا ہے۔اس پوری کائنات میں ایسا ترازو رکھا جو تولتا ہے پوری چیزوں کو۔جی چاہتا ہے اور ڈر بھی لگتا ہے کہنے میں دوستو! کہ شاید میزان سے یہ مراد ہو کہ عالم تکوین میں قدرت نے جو تخلیق کیا ہے اور جو کچھ پیدا کیا اور بنایا ہے ،اس میں بیلنس رکھا ہے۔سورج اور چاند کی رفتار میں، سورج کی حرارت میں، ان درختوں کی تخلیق میں، کائنات کے ذرے ذرے کی پیدائش میں ایک خاص بیلنس ہے، اگر وہ توازن باقی نہ رہے تو عالم تباہ ہو جائے۔

مجھے یاد ہے کہ ہندوستان کی کیبنٹ کے ایک وزیر ہمارے گھر آئے۔اس زمانے میں سیلاب بہت آیا کرتا تھا اور اسی نے بہار کو برباد کر رکھا تھا۔انہوں نے کہا کہ ہمارے جواہر لال نہرو تقدیر کو نہیں مانتے ،بڑی زوردار تقریر کی، گاؤں کے لوگ بھی متاثر ہوئے۔ان صاحب نے کہا کہ نہرو جی نے دریا پر بندھ باندھ دیا ہے، نہریں بنادی ہیں جن سے تمام زمینیں سیراب ہوں گی۔اب بہار کبھی تباہ نہ ہوگا۔دو برس نہیں گذرا کہ ان نہروں کے چاروں طرف کی زمین بے کار ہو گئی۔کیوں کہ سطح آب اور Water Level وہاں اونچا ہو گیا۔نہروں سے گذرنے والے پانی کے اس کے چاروں طرف سرایت کرنے کی وجہ سے اس سطح میں فرق آ گیا۔ہزار ہا ہزار ایکڑ زمین اس کے نتیجہ میں دلدل ہو کر رہ گئی اور جو بہترین فصل دیتی تھی وہ خراب ہو کر رہ گئی۔

جولوگ تقدیر کونہیں جانتے اور تقدیر کونہیں مانتے اور اپنی تدبیر ہی پر آخری ایمان رکھتے ہیں، وہ دراصل خودفریبی میں مبتلا ہیں۔قدرت نے اپنی تخلیق میں کیا بیلنس رکھا ہے۔اس بیلنس کو جاننا بھی تو سائنس کا کام ہے۔اس لئے کہ زمین کا واٹر لیول اگر بہت نیچے ہوجائے گا تو اس کے اوپر کوئی فصل نہیں آئے گی، جو بیج ڈالیں گے سوکھ جائے گی اور کچھ پیدا کرنے کے لائق نہیں رہے گی۔سبحان اللہ ما احسن الخالقین۔کیسا وہ پیدا کرنے والا ہے۔اور کیسا اس کا توازن اور بیلنس ہے ہر شئی میں؟؟ کہ درجہ حرارت کیا ہونا چاہئے اور ٹھنڈک اور نمی کتنی ہونی چاہئے، اس کے مطابق ہی نمی اور حرارت ہوتی ہے۔

قدرت کے اس کارخانے پر جتنا غور کریں کم ہے۔خود انسانی جسم کی تخلیق میں کس قدر بیلنس اور توازن ہے۔اگر ہر شئی صحیح توازن کے ساتھ نہ ہو تو انسان صحت سے محروم ہوجائے۔ میں اور ہمارے میر مقصود علی صاحب بیٹھے ہیں۔ہم دونوں ذیابطیس کے مریض ہیں۔ یہ مرض اصل میں بیلنس ہی کے بگڑنے سے عبارت ہے، جتنی انسولین جسم میں پیدا ہونی چاہئے جو زائد شوگر کو جلا دے اور انسانی جسم کے لئے جتنی ضرورت شوگر کی ہے۔اس کو باقی رکھے۔اسی میں توازن ختم ہوگیا، اس لئے ہم لوگ بیمار ہیں اور انسولین کے مریض ہو چکے ہیں۔اگر پوری انسانیت کو دیکھو گے تو اللہ تعالیٰ نے ہر شئی میں ایک بیلنس اور توازن رکھا ہے کہ ذرا وہ بگڑی تو کام ختم۔

تو جی یہ کہنے کو چاہتا ہے کہ عالم تکوین میں اللہ نے جو بیلنس رکھا ہے۔عالم تشریع میں قرآن کے ذریعہ تم کو وہی بیلنس اور توازن عطا کیا ہے۔آگے اللہ تعالیٰ نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے کہ "الا تطغو فی المیزان" کہ اس دنیا میں اندر اور باہر اور دنیا و آخرت کے اعتبار سے جو کچھ توازن واعتدال اللہ کی قدرت سے موجود ہے اور حضور ﷺ کے لائے گئے دین کے ذریعہ دیا گیا ہے۔اس میں تم حدود کو پار مت کر جانا، اور اس توازن اور بیلنس کو ٹوٹنے مت دینا۔

اسلامی تعلیمات ـ سراپا عدل و اعتدال کی تصویر

میرے دوستو! اس اصول کو یاد کر کے آپ پورے اسلام کا مطالعہ کیجئے۔ چاہے اولاد اور ماں باپ کے حقوق کا مسئلہ ہو، میاں بیوی کے حقوق کا مسئلہ ہو یا جو کچھ بھی ہو۔ ہر مسئلہ کو آپ دیکھیں تو وہی اعتدال اور توازن ہر جگہ ہوگا اور جب بھی اعتدال کو چھوڑا جائے گا، کام خراب ہوگا، مرد کو کہا گیا، آپ بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کیجئے۔ مگر میرا اپنا خیال ہے کہ مرد پر ذمہ داری بیوی کے ساتھ صرف عدل کرنے کی نہیں ہے بلکہ عدل سے بڑھ کر احسان کی ہے، "ان اللہ یا مر بالعدل والاحسان" ہر چیز کو اس کا واجب حق دینا تو عدل ہے اور حق سے زائد دینا احسان ہے۔ دونوں باتوں کا حکم دیا گیا۔ اور شاید رشتہ داروں کے بارے میں کچھ اس سے زیادہ کی بات ہے۔ اسی لئے مستقل طور پر ان کا ذکر کیا گیا "ایتاء ذی القربی" یا اسی عدل و احسان ہی کے مصرف کو مزید کھول کہ بتایا گیا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے قرآن میں جو اجمال ہے، اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کو اور واضح کر کے دہرایا جاتا ہے۔ بیوی کے معاملے میں میرا اپنا خیال ہے کہ صرف عدل کافی نہیں ہے۔ مرد پر ضروری ہے کہ وہ احسان بھی کرے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا۔ احسان کے معنی ہیں حق سے زیادہ دینا۔ قانون میں جائے گا تو عدل کا مسئلہ ہے، لیکن زندگی کی استواری کے لئے احسان کی حاجت پیش آئے گی اور عجیب بات ہے کہ ملاپ میں بھی عدل اور انصاف اور احسان و بہتری کا حکم دیا گیا اور علاحدگی میں بھی یہی کہا گیا: "**فامساک بمعروف أو تسریح باحسان**" ( ) رکھنا ہے بیوی کو تو معروف طریقہ کے ساتھ رکھنا، مروج اور معروف دینی طریقہ ہو جن کے ساتھ بہتر اور خوش گوار رشتہ قائم ہو۔ خدانخواستہ مجبوری میں چھوڑنا بھی پڑے تو اس میں بھی حسن ہونا چاہئے، احسان ہونا چاہئے۔ چنانچہ قرآن نے کہا ہے: "**وعاشروھن بالمعروف**" بیویوں کے ساتھ بہترین معاشرت اختیار کرو اور حضور ﷺ نے فرمایا: "**خیر کم خیر کم لاھلہ و انا خیر کم لاھلی**"۔ تم میں سب سے

بہتر آدمی وہ ہے جو اپنی بیوی کے حق میں بہتر ہو اور تم سب میں اپنی بیوی سے سب سے بہتر سلوک کرنے والا میں ہوں۔ یہ نمونے دے دیئے گئے۔

طلاق کے معاملے میں اسلام کا اعتدال

اب یہاں پر دو صورتیں تھیں۔ مجھے ان حقوق کی تفصیل میں نہیں جانا ہے، صرف اصولی بات کہنی ہے یا تو نکاح کے بعد کہہ دیا جاتا کہ کبھی طلاق نہیں ہوگی۔ جو دیگر مذاہب کے لوگ کہہ رہے ہیں یا تو یہ کہا جاتا کہ تم کو کھلی چھوٹ ہے کہ تم طلاق دیتے رہو۔ مگر وہی بیلنس اور اعتدال وتوازن والی بات ہے۔ اگر یہ کہا جاتا کہ تم کبھی طلاق دے ہی نہیں سکتے تو یہی ہوتا کہ معاذ اللہ مجبور اور کمزور عورت کو آگ میں جلا ڈالو۔ جیسا کہ ہمارے بھائیوں کے سماج میں ہو رہا ہے۔ یا ویسی کھلی چھوٹ جو یورپ میں ہے کہ اولاً تو اب آہستہ آہستہ وہاں شادیوں کا رواج ہی ختم ہوتا جارہا ہے۔ کون اس جھگڑے میں پھنسے۔ مرد یہ سوچتا ہے کہ اس کی جنسی اور نفسانی وشہوانی خواہشوں کی تکمیل کے لئے بہت راستے ہیں، کیوں شادی کرے۔ اس لئے کہ اگر شادی کے بعد نہیں نبھی تو وہاں کے قانون کے مطابق اپنی آدھی کمائی عورت کو دینی پڑے گی۔ تو آہستہ آہستہ ازدواجی نظام، میریج سسٹم ہی وہاں ٹوٹ رہا ہے۔ یہ اسی بے اعتدالی کا نتیجہ ہے۔ ادھر بھی بے اعتدال، ادھر بھی بے اعتدالی مگر جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''النکاح من سنتی'' نکاح میری سنت ہے، یعنی unmarried کنوارا رہنا، بے شادی کے رہنا اور ایسی لائف گذارنا جو کنوارے پن کی ہو، غیر فطری زندگی ہے۔ اس کو جناب رسول اللہ ﷺ نے گوارا نہیں فرمایا۔ وہ ایسا سماج چاہتے ہیں جہاں شادی ہو، بیاہ ہو، ایک دوسرے کے حقوق کو جانا جائے اور ان کو ادا کیا جائے۔

طلاق کی گنجائش مجبوری کی حالت میں دی گئی کہ اگر یہ نہیں دیا جائے تو جبر اور زبردستی کے ذریعہ یہ رشتہ باقی نہ رکھا جا سکے گا۔ اسی لئے خود قرآن نے طلاق کا طریقہ بتایا ''یا ایھا النبی

اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن واحصوا العدة“ (الطلاق:۱) اس میں اتنی مصلحتیں ہیں کہ آدمی سوچ کر صحیح فیصلہ کرسکتا ہے، ہم نے اپنی سوچ کو نافذ کر کے بے محابا طلاق دے کر اللہ کی نافرمانی کر کے اس توازن کو توڑا ہے، اسی لئے ہم کو معاشرتی زندگی میں کئی مشکلات کا سامنا ہے۔ ہمارے ہندو بھائیوں نے طلاق کو بالکل ہی ممنوع قرار دیا ہندو کوڈ میں لاکر گنجائش بھی دی تو شرائط لگائیں۔ اب مصیبت ان کی یہ ہوگئی کہ اگر کوئی ہندو آکر اسلام قبول کرلے تو کیوں قبول کرلے، اصلاً تو اسلام کو پسند کرے تو قبول کرے، لیکن اب ہندوؤں میں اسلام قبول کرنے کی جو رو چلی ہے اس سے پریشان ہوکر خود سپریم کورٹ بھی متاثر ہوگیا اور اس نے یہ نہیں سوچا کہ جو غیر فطری جبر تمہارے یہاں تھا اس کی اصلاح تم کرتے، اس کے بجائے انہوں نے یہ کہا اگر مسلمان بھی ہوجائے تب بھی وہ اس کی بیوی باقی رہے گی اور ایک خاص قانونی دفعہ کے تحت اس کے لئے جیل کی طویل سزا دینا طے کیا۔ دراصل جو اعتدال، توازن اور بیلنس قائم کیا گیا ہے قانون شریعت میں اس کو جب بھی توڑا جائے گا، چاہے ہم توڑیں یا کوئی اور۔ نتیجہ میں معاشرہ میں فساد اور بگاڑ پیدا ہوگا۔

دولت کا ارتکاز – فساد کی جڑ

اب میں دوسری طرف آتا ہوں۔ انسانوں کے لئے سب سے بڑا مسئلہ پیٹ کا ہے، معاشیات کا ہے، آدمی چاہتا ہے کہ ہم کو پوری آزادی ملنی چاہئے، ہم جیسے چاہیں، جتنا چاہیں کمائیں اور کماتے رہیں۔ اس کا سیدھا نتیجہ کیا ہوگا؟ ارتکاز دولت ہوگا۔ دولت عام لوگوں سے سمٹ کر چند لوگوں میں محدود ہوجائے گی۔ خوب یاد رکھئے! عام لوگوں سے جو دولت سمٹ کر چند خاص لوگوں کے پاس چلی جائے، وہ دولت ہمیشہ دنیا میں فساد پیدا کرے گی، وہ بھی بیلنس اور توازن کے خلاف ہے جو خود اس کائنات کے خالق نے پیدا کیا ہے۔ کیسے ہوتا ہے دولت کا ارتکاز؟ اس کو سمجھئے، اس کے لئے سب سے بنیادی حربہ ”انٹرسٹ سسٹم“ (سود کا طریقہ) ہے۔

سود کے ذریعہ ایک شخص روپیہ سے روپیہ کماتا ہے، روپے تو وہ کسی پروڈکشن میں نہیں لگاتا۔ روپے پر وہ محنت نہیں کرتا۔ روپے کے معاملے میں وہ کوئی خطرہ مول نہیں لیتا، ہر خطرہ سے پاک اور ہر ذمہ داری سے فارغ بغیر کسی محنت کے روپیہ کو بکھیر دیتا ہے اور ہر روپیہ اپنے ساتھ روپیہ لے کر چلا آرہا ہے، وہ یہاں بیٹھ کر صرف کوٹھی بنا کے بیٹھا ہے۔ سارے پیسوں کو جمع کرتا ہے، گئے تھے اس کے ایک لاکھ اور آئے ہیں ایک لاکھ بیس ہزار، یہ بیس ہزار کہاں سے آئے؟ یہ سارے لوگوں سے سمٹ کر آ گئے، یہ دولت کو مرتکز کرنے کا راستہ ہے۔ دوسری صورت لاٹری اور جوا ہے، میں لاٹری قصداً بولا تھا کہ آپ سمجھ جائیں آسانی سے، لاٹری میں کیا ہوتا ہے۔ دس لاکھ کراچی کے بسنے والوں نے کراچی اسٹیٹ لاٹری میں دس دس روپے دیئے ہیں۔ لیکن ایک کروڑ روپیہ انعام ان میں تقسیم ہوا اور وہ ایک کروڑ روپیہ دس سے بیس تک آدمیوں کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے۔ اس طرح پھیلی ہوئی دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں جارہی ہے یا نہیں؟ یہ قدرت کے اس توازن کو توڑتا ہے، اس لئے جو پیغام جناب رسول اللہ ﷺ لے کر آئے، اس پیغام میں سود اور جوے کو قطعی حرام قرار دیا گیا۔ یہ اس توازن کو توڑتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے معاش اور وسائل معاش اور کائنات میں قدرت کے پھیلائے ہوئے ذرائع اور ان سے استفادہ میں رکھا ہے۔ جوئے کے ذریعہ معاشی نظام کی استواری نہیں رہ سکتی۔ جب تک جوا جاری رہے گا اور سود جاری رہے گا، معیشت میں استحکام و توازن قائم نہیں ہوسکتا۔ آج ساری دنیا روتی ہے کہ انفلیشن ہے، افراط زر ہے۔

برکت کی حقیقت

دراصل یہ افراط زر اس کائنات انسانی پر اللہ کے ایک عذاب کی صورت میں عائد ہے۔ لوگو! کاش آپ نے قرآن کو اور حضور ﷺ کی تعلیم کو سمجھا ہوتا۔ یہ اللہ کا عذاب ہے، ایک لفظ حضور ﷺ نے برکت کا استعمال کیا ہے۔ آپ بھی اس لفظ کو بہت بولتے ہیں کہ برکت

ہوگئی، دعا کردیجئے کہ برکت ہو۔ یہ برکت ہے کیا؟ کچھ سمجھا ہے آپ نے؟ برکت یہ تھوڑا ہی ہے کہ کوئی چیز اوپر سے اترنے لگے، برکت یہ ہے کہ کم چیز میں زیادہ کام ہوجائے۔ چیز تھوڑی ہے کام زیادہ لوگوں کا چل جائے، اس کو ''برکت'' اور اس کے مقابلے میں ایک لفظ ہے ''محق''، محق سے مراد ہے کہ چیز زیادہ ہو اور کم لوگوں کا بھی کام نہیں ہو پائے۔ اسی معنی میں قرآن نے کہا کہ ''یمحق اللہ الربوا'' (البقرۃ:۲۷۶) سود اور سود کا پورا نظام محق کا باعث ہے۔ یعنی روپیوں کی تعداد بہت ہوگی اور اس سے حاصل ہونے والی چیزیں کم ہوجائیں گی۔ یہی تو انفلیشن ہے، روپیہ بہت بڑھ گیا۔ کرنسی بہت ہوگئی۔ لاکھوں کا ذخیرہ ہے، میں ابھی کل اپنے دوستوں سے کہہ رہا تھا کہ میں نے اپنے بچپن میں اپنے بزرگوں سے سنا کہ وہ چھ سو روپیوں میں حج کر آئے تھے اور جب سن ۷۰ میں میں گیا ہوں تو اس وقت ۲۲۰۰ روپئے خرچ ہوئے تھے۔ سن ۷۶ میں آٹھ ہزار روپے خرچ ہوئے اور آج ساٹھ ہزار روپے خرچ ہوتے ہیں۔ کیا ہوا یہ، یہ چھ سو یا بائیس سو کی رقم سن ۷۰ سے لے کر ۹۵ میں ساٹھ ہزار کیسے ہوگئی؟ روپیہ بڑھ گیا کام کم ہوگیا، روپئے کی افادیت کم ہوگئی، روپے سے حاصل ہونے والی چیز کم ہوگئی۔ اس لئے کہ روپے نے پیداوار نہیں کیا، روپیہ نے ترقی نہیں کی۔ روپئے نے یہاں کے پھیلے ہوئے خزانوں کو بڑھایا نہیں، روپیہ بڑھ گیا، خزانہ گھٹ گیا۔ پروڈکشن کم ہوگیا، روپیہ بڑھ گیا۔ دولت افراد سے سمٹ کر جماعت اور قوم سے سمٹ کر چند افراد کے ہاتھ میں آگئی۔ لہذا روپیہ بے برکتی کا شکار ہوگیا۔ اللہ کا فیصلہ ہے کہ سود اور سود کا سسٹم بے برکتی پیدا کرے گا۔ صدقات اور زکوۃ کا جو نظام اللہ نے مقرر فرمایا ہے وہ تمہارے پیسوں میں اضافہ کرے گا اور برکت کا باعث ہوگا اور تمہاری دولت کی افادیت کو بڑھائے گا کیوں؟ اس لئے کہ دس جیبوں سے نکل کر وہ پیسہ لاکھ جیبوں تک گیا اور لاکھ انسانوں کو اس پیسے نے کام میں لگایا۔ اس سے پروڈکشن بڑھا، اس لئے چیزوں کے درمیان اور طلب اور رسد کے درمیان، مانگ اور پہنچ کے درمیان صحیح بیلنس قائم رہے گا۔ جب صحیح توازن قائم رہے گا تو پیسے کا

دام بڑھے گا۔تب پیسے کی قیمت بڑھے گی اور اس بیلنس کو توڑ دیا جائے تو یقین کرو کہ اس کی برکت ختم ہوجائے گی اور تمہارے یہاں افلاس آئے گا۔زکوۃ میں پیسہ پھیلتا ہے لوگوں تک اور سود میں چند لوگوں تک پیسہ سمٹ جاتا ہے۔ یہ بنیادی اور واضح فرق ہے۔زکوۃ میں کمانے والا یہ سمجھتا ہے کہ جو میں نے کمایا ہے یہ سب میرا نہیں ہے۔ "وفی اموالکم حق للسائل والمحروم" (الذاریات:۱۹) تمہارے مال میں جو لوگ سائل ہیں، معاشی اعتبار سے محروم ہیں ان کا حق ہے،تو اسلام نے اگر ایک طرف سود کو حرام کیا تو دوسری طرف زکوۃ عائد کیا۔زکوۃ دونوں چیزوں کے درمیان توازن باقی رکھتی ہے۔پس جب عام لوگوں تک مال پہنچے گا تو وہ اس میں اور طلب میں توازن پیدا کرے گا۔ڈیمانڈ اور سپلائی میں بیلنس پیدا ہوگا اور معاشی توازن کا سارا راز یہی ہے کہ طلب اور رسد کے درمیان توازن رہنا چاہئے، اگر ڈالر مارکیٹ میں زیادہ آجائے اور اس کے طالبین کم ہوجائیں تو ڈالر کا دام کم ہوجائے گا، اگر ڈالر کم آئیں اور طالب زیادہ ہوں تو ظاہر ہے کہ اس کا دام بڑھ جائے گا۔ یہ معاشیات کا ایسا کھلا ہوا راز ہے،جس کو ایک عام طالب علم بھی جانتا ہے۔

لاٹری

لاٹری نے آج ہمارے گھروں میں بڑا فساد پھیلایا ہے۔عورت گھر میں معصوم بچوں کو لئے آنکھوں سے آنسو بہارہی ہے اور صاحب اپنی کمائی آفس سے اور فیکٹری سے لا کریا تو شراب کے ایک جام پر یا لاٹری کا ٹکٹ خرید کر برباد کررہے ہیں۔اس کے خون اور پسینے سے کمائی ہوئی یہ دولت ان چند سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں جارہی ہے۔لوگ مجھ سے مسئلہ پوچھتے ہیں دولا کھ لگ گیا ہے اس کو کیا کریں؟ تو خوب یادرکھئے۔ یہ پتہ نہیں کتنے لوگوں کا مارا ہوا یہ حق اور مال ہے اس کو شریعت کیسے جائز قرار دے سکتی ہے؟؟

زکوۃ

زکوۃ سماج کے کمزور ونادار لوگوں کی مدد کا نہایت عظیم الشان نظام ہے جس کی کہیں اور مثال نہیں مل سکتی، اور اگر ہر مسلمان پابندی سے ادا کرنے لگے تو کوئی بھوکا اور بنیادی ضروریات سے محروم باقی نہ رہے۔

ہر شخص اپنی بچت آمدنی، مال تجارت اور سونا چاندی میں ڈھائی فی صد ادا کرتا ہے۔ اگر جانور پال رکھے ہیں جو افزائش کی غرض سے ہیں اور جانور سائمہ ہیں، جن کی تفصیلات کتابوں میں موجود ہے اور علماء سے دریافت کی جاسکتی ہے، تو پانچ اونٹ میں ایک بکری، تیس گائے میں ایک گائے اور چالیس بکریوں میں ایک بکری دینی ہے۔ زمین قدرتی طور پر سیراب ہوئی تو ۱۰ فیصد اور خود سیراب کرنی پڑی اور اخراجات کا بوجھ اٹھانا پڑا تو ۵ فی صد اس میں بھی واجب ہے۔ دولت کی دو قسمیں ہیں۔ زمین کے نیچے کسی آدمی کا دفن کیا ہوا خزانہ ہو تو اس کو کنز کہتے ہیں اور قدرتی طور پر پیدا کیا ہوا ہو، اسے معدن کہتے ہیں، اور دونوں کو ملا کر رکاز کہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی محنت سے کسی کان کی یافت کر لیتا ہے یا کسی چھپے ہوئے خزانہ کا پتہ چلا لیتا ہے تو اس کو بھی چھوڑا نہیں گیا اور اس میں ۲۰ فی صد زکوۃ واجب قرار دی گئی۔ اس طرح انفرادی کوششوں سے حاصل ہونے والی ہر دولت میں اجتماعی مفاد کا ایک شیئر تسلیم کیا گیا ہے، یہ گویا "وفی اموالکم حق للسائل والمحروم" کی عملی صورت گری اور تطبیق ہے۔

نظام میراث

یہ تو زکوۃ وعشر کا نظام ہے جو تقسیم دولت کا ایک اہم اور مؤثر ذریعہ ہے۔ اسلام سے پہلے دولت کے ارتکاز کا ایک بڑا سبب انسان کی موت کے بعد جائداد کی عدم تقسیم اور بڑے بیٹے کا پوری جائداد کا حق دار بن جانا تھا۔ یہی جائداد کے بارے میں عام تصور تھا جو اسلام سے پہلے پایا جاتا تھا۔ بیٹیوں کے لئے تو میراث میں کوئی حق ہی مانا نہ جاتا تھا۔ بیٹے کو بھی ملے گا، بیٹی کو بھی

ملے گا، بیوی کو بھی ملے گا، ماں کو بھی ملے گا، باپ کو بھی ملے گا اور بعض حالات میں بہنوں کو بھی ملے گا اور بعض حالات میں سوتیلے بھائی بہنوں کو اور بھتیجے کو بھی ملے گا۔ پوری آیت یوصیکم اللہ (النساء:۱۱) اسی پورے نظام کی تفصیل کرتی ہے اور یہ بتا دیتی ہے کہ وراثت کے ذریعہ بھی ارتکاز دولت کے بت کو توڑ دیا گیا کہ دولت کسی ایک شخص کے پاس جمع نہیں رہ سکتی۔ اس کو تقسیم تو ہونا ہی ہے۔

ہمارے دوستوں نے جنہوں نے نبیوں کی ترقی دیکھی وہ بڑے خوش ہو گئے، انہوں نے کہا کہ صاحب کاش کہ ایسا ہی ہوتا، مسلمان کا مال تو ہمیشہ بٹ کے ختم ہو جاتا ہے۔ بے شک اسلام دولت کا ارتکاز نہیں چاہتا، اور وہ جانتا ہے کہ جب دولت کسی ایک تالاب میں مرتکز ہو کر رہ جائے گی تو وہ پانی سڑتا ہے اور اس کے فساد سے جو آب وہوا بگڑتی ہے تو پورے ماحول کو برباد کر دیتی ہے، اس خزانہ کے تعیش اور اس کے ذریعہ پورے سماج کے بگڑنے کی کہانی آپ کے لئے کوئی نئی کہانی نہیں ہوگی۔ قرآن نے ایک بڑے پتہ کی بات کہی ہے کہ لا تدرون ایھم اقرب لکم نفعا (کس شخص سے کس کو فائدہ پہنچنا ہے اور نہیں پہنچنا ہے اور کتنا پہنچنا ہے۔ نظام وراثت میں اس کا کسی کو پتہ ہو ہی نہیں سکتا) اس لئے کہ نظام وراثت موجودہ لوگوں کی طرح نہیں جہاں مالک کی زندگی میں حصہ دار بنا دیا گیا، بلکہ نظام وراثت کو شریعت نے مورث کی موت پر موقوف کر دیا اور مورث کی موت کب ہوگی؟ کسی کو معلوم نہیں اور جس دن مورث کی موت ہوگی اس دن کون موجود رہے گا اس کا بھی کچھ علم نہیں، اس لئے اہل قرابت میں جو ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کا جذبہ ہے وہ بھی وراثت اور حصہ داری کی لالچ میں نہیں ہوگا۔ اللہ کی رضا کے لئے ہوگا۔ کوئی بیٹا نہیں جانتا کہ مجھے باپ سے ملے گا کہ نہیں ملے گا۔ یہ جو تاریکی ہے کہ کس کو ملے گا اور کب ملے گا؟ مورث کی موت پر موقوف کر کے شریعت نے اس چیز کو پردہ خفا میں ڈال دیا اور اس تعلق کو بے غرضانہ بنا دیا، وراثت کی لالچ میں اب خدمت نہیں ہوگی، اللہ کی رضا کے لئے خدمت ہوگی، جس کو وراثت ملنی ہے وہ مل کر رہے گی، انشورنس بیوی کے نام پر کرالیا

، انشورنس میں یہ واقعہ پیش آتا رہتا ہے کہ میاں نے دیکھا کہ اس بیوی سے محبت نہیں رہتی اور اس کے انشورنس سے فائدہ اٹھانا ہے، لہٰذا کسی نہ کسی ترکیب سے اس کو مروادو، کبھی بیوی نے میاں کے خلاف سازش کی، کبھی بیٹے نے باپ کے خلاف سازش کی، اگر وراثت کے لئے یہی بات پیش آئے کہ بیٹا چاہے کہ میں جلدی باپ کے مال کا قابض بن جاؤں اور وہ باپ کو قتل کرا دے تو کیا ہوگا، اس کے لئے بھی شریعت نے قانون بنادیا، "من استعجل الشئی قبلا أو انه عوقب بحرمانه" جس شخص نے آنے والے وقت میں ملنے والے مفاد کو حاصل کرنے میں عجلت کردی اس کی جلدی حاصل کرنے کی کوشش کی اس کو یہ سزا دی جائے گی کہ وہ اس فائدہ سے محروم کردیا جائے گا) چنانچہ آپ ﷺ نے ارشا فرمایا: "القاتل لا یرث" قاتل وارث نہیں ہوسکتا۔ یعنی مورث کا قاتل اس کا وارث نہیں ہوسکتا۔ بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ قانون وراثت کے ذریعہ دولت کو تقسیم کیا گیا۔

کبھی لوگ ایسا سوچتے ہیں کہ لڑکی کی شادی ایسی جگہ کردیں کہ دولت باہر نہ جائے، کروڑوں روپے کی دولت ہے، بیٹی کا بیاہ دوسری جگہ ہوجائے گا تو اب دوسرے تیسرے خانہ میں میرے گھر کی دولت چلی جائے گی۔ حالاں کہ قرآن نے کہا ہے کہ ایک لڑکی اگر کہیں رشتہ پسند کرتی ہے تو اس کو تم روک نہیں سکتے ہو کہ وہ اپنا نکاح وہاں نہ کرے، دولت کو روکنے اور گھر میں بند کرنے کی لالچ ایک ایسا رذیلۂ نفس ہے جو بڑے بڑے اصحاب تقویٰ کو بھی معاف نہیں کرتی، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے، لیکن اسلام اس کے لئے تیار نہیں ہے۔ کہ تم کسی عورت کو محض اس لئے اس کو پسندیدہ رشتہ سے روک دو کہ تمہاری دولت باہر نہ جائے۔ اگر وہ روکتا ہے تو وہ ظالم ہے اور رفع ظلم فریضہ قاضی ہے۔ اس لئے قاضی ولی بن کر اس کا نکاح کردے گا، کیا قانون کی وسعتیں ہیں، ایک ایک فتنہ کے دروازے کو بند کیا گیا ہے۔

وصیت

دولت مرتکز کرنے کا ایک ذریعہ ''وصیت'' ہوسکتا تھا، میں وصیت تو کرسکتا ہوں، تو میں

وصیت یہ کروں گا کہ میری کل جائداد کا بڑا بیٹا مالک ہوگا، اس طرح میں قانون وراثت کو منسوخ کردوں گا، لیکن اس دوراز ہ کو بھی بند کردیا گیا، آپ نے ارشا فرمایا: لا وصیۃ لوارث (وارث کے لئے کوئی وصیت معتبر نہیں) اچھا ممکن تھا کہ کسی اور سے محبت وتعلق کی بناء پر پوری جائداد کی وصیت اس کے لئے کر جاتا، لیکن اس کی بھی گنجائش نہیں رکھی گئی اور اصول مقرر کردیا گیا کہ ایک تہائی سے زیادہ وصیت کا اعتبار نہیں، اس طرح وصیت جو آج یورپ میں رائج ہے دولت کے ارتکاز کو باقی رکھنے کا ذریعہ ہے اور اس کے ذریعہ دولت کے بٹوارے کو روکا جاسکتا ہے، اسلام دولت کی تقسیم اور گردش کا قائل ہے، اس لئے اس نے ہر جگہ ایسے دروازہ کو بند کردیا ہے، اگر آپ اسلام کا اجتماعی مطالعہ کریں گے تو اس کا ہر ہر جز ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہے اور جب بھی اس کی خلاف ورزی کریں گے تو وہی حال ہوگا کہ جب ایک تار ٹوٹتا ہے تو پورے کے پورے تار ٹوٹ جاتے ہیں۔ پس قانون وصیت میں جو تحدیدات اور پابندیاں عائد کی گئی ہیں وہ اسلام کے نظام معیشت اور معاشی تصورات سے گہرا ربط رکھتی ہیں۔ یہی اعتدال ہے، یہی بیلنس ہے، یہی توازن ہے، اتنا ہی نہیں ہے دوستو! اسلام نے قدم قدم پر ایسے اصول مقرر کئے ہیں جن سے معیشت میں حلال اضافہ ہو، دولت کا فائدہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچے اور معیشت ضائع نہ ہو، شراب کو روک دیا اس لئے کہ شراب عقل کو ختم کرتی ہے اور اس حالت میں آدمی دولت کا صحیح استعمال بھی نہیں کرسکتا اور شراب سے گھر کے نظام میں بھی فساد وبگاڑ آتا ہے۔ پچاس فیصد سے زیادہ طلاق کے واقعات نشہ ہی کی وجہ سے ہوا کرتے ہیں۔ یہ نشہ کی حرمت بے معنی نہیں (معاذ اللہ) یہ دراصل پورے سماج کو بچانے کا ایک راستہ ہے۔

عزیز دوستو! سودی نظام کی تائید کرنے والوں کی ایک بڑی دلیل یہ ہے بہت سے لوگ قرضوں کے مارے پریشان رہتے ہیں وہ کیا کریں؟ کاش کہ ہم اسلامی بیت المال زندہ کرسکتے اور اسلامی نظام جاری کرسکتے تو ہم لوگوں کو عملاً یہ بتا سکتے کہ شریعت نے ایک پورا اور مکمل

سسٹم رکھا ہے قرض کے بوجھ تلے دبے لوگوں کو قرض سے نجات دلانے کے لئے۔ اسی لئے مصارف زکوۃ میں ایک مستقل مد "والغارمین" کی ہے، جو لوگ کسی جرم کی وجہ سے تاوان میں پڑ گئے ہوں یا قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہوں ان کو قرض کے بوجھ سے نجات دینے کے لئے اسلام نے ایک اجتماعی نظام بنایا ہے، آں حضور ﷺ نے مدینہ میں دس برس گذارے، یہ تدریجاً احکام شریعت کے نزول کا زمانہ ہے، جنگوں سے بھی چھٹی نہیں ہے، دشمنوں کے خطرے سے بھی مہلت نہیں ہے، آخری تھوڑی سی مہلت ملی جس میں اطمینان سے اسلامی نظام کو قائم کرنے کا کام ہوا ہے، ڈھائی برس سیدنا ابو بکر صدیقؓ کا عہد خلافت ہے اور غالباً دس برس سیدنا عمرؓ کا عہد زریں رہا، اس کے بعد سیدنا عثمان غنیؓ آتے ہیں، پھر حضرت علیؓ کا زمانہ آتا ہے۔ حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری دو سال اور خلافت راشدہ کے تیس سال کی مدت ہے جس میں اسلامی خطوط پر سماج کی تشکیل ہوئی، معیشت کو غیر سودی بنایا گیا اور اسلام کے پورے نظام کو بتدریج نافذ کیا گیا۔

زکوۃ کی وصولی اور تقسیم کے اجتماعی نظام میں ایسی خیر و برکت اور معاشرہ کی فلاح ہے کہ سیدنا عثمان غنیؓ کا عہد آتے آتے یہ نوبت آئی کہ اب مستحق زکوۃ کو تلاش کرتے پھرو، کوئی زکوۃ کا مصرف نہیں ملتا تھا، تو آپ نے لوگوں سے کہا کہ اب آپ لوگ خود ہی ادا کر دیا کیجئے، حکومت یہ ذمہ داری آپ کو تفویض کرتی ہے۔ صرف چند برسوں میں اتنا بڑا معاشی انقلاب آیا اور اتنا بڑا عملی تجربہ اس کا ہو چکا ہے۔

موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کے بوجھ تلے دبا ہوا انسان

آج امریکہ بہت دولت مند کہلاتا ہے، لیکن ایک لطیفہ وہاں کے دوستوں نے مجھے سنایا کہ ہم بہت دولت مند ہیں، لیکن نہ گھر میرا نہ گاڑی میری اور نہ کوئی سامان میرا، یہ فرنیچر ہمارا نہیں، یہ ٹی وی ہمارا نہیں، یہ اعلیٰ درجہ کے فرنیچر جو گھر میں نظر آتے ہیں ہمارے نہیں، یہ جو کاریں لگی ہیں

دروازے پر یہ بھی ہماری نہیں یہ سب سودی بینکوں کے ذریعے سود پر لیا ہوا مال ہے، سوائے میری جان کے اور کوئی چیز ہماری نہیں ہے، ممکن ہے دس بیس لوگوں کا حال اس سے مختلف ہو لیکن وہاں کے عام شہریوں کا یہی حال ہے، زندگی بھر وہ کولہو کے بیل کی طرح جتا رہتا ہے، کماتا ہے اور کما کر بینکوں کو سود ادا کرتا رہتا ہے، اس سرمایہ دارانہ نظام کی آج کل تعریفیں کی جاتی ہیں اور اس کو معاشی مسائل کا حل تصور کیا جاتا ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور کی معاشی حالت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ سے لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اگر کسی کے پاس ایک ہی کپڑا ہو تو وہ نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا "او یجد کل منکم ثوبین" کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس ایک جوڑا کپڑا ہے؟ یعنی ان کی معاشی حالت ایسی تھی کہ سب لوگوں کے پاس دو کپڑے نہیں تھے، بہتروں کے پاس صرف ایک کپڑا تھا جو کمر سے بطرز تہبند باندھ لیا جاتا تھا۔ بس جب سماج کی معاشی حالت یہ تھی کہ جس کے رسول نے بھر پیٹ مدینہ میں رہ کر روٹی نہیں کھائی، اور جس کے خلیفہ وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ کو چند پیسے روزانہ طے کئے گئے تھے، ان کی بیوی جب شکایت کرتی ہیں کہ بہت دن ہوگئے بچوں نے کوئی میٹھی چیز نہیں کھائی، کچھ انتظام کیجئے، بچوں کو میٹھا پکا کے کھلادوں تو ابو بکرؓ کہتے ہیں کہ مجھے جو روزانہ بیت المال سے ملتا ہے اس سے زیادہ تو میں لا نہیں سکتا، اسی میں کھلانا ہو تو کھلاؤ، بیوی نے اپنا، بچوں کا اور حضرت ابو بکرؓ کا پیٹ کاٹ کاٹ کر کچھ پیسہ بچایا اور پیسے دئے کہ اس کا سامان لا دیجئے بازار سے کہ بچوں کو میٹھا پکا کر کھلادوں، حضرت ابو بکرؓ نے وہ پیسہ لیا اور بیت المال میں جمع کر دیا اور فرمایا کہ آج سے میری تنخواہ میں اتنا کم کر دو کیوں کہ معلوم ہوا کہ اتنا کم بھی رہے تو میں جی سکتا ہوں۔ مجھے ابھی اس واقعہ کو بیان کرنا مقصود نہیں تھا صرف اتنا بتانا تھا کہ جو خلیفہ وقت ہے اس کی معاشی حالت یہ تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ کا قصہ آپ کو کل سنا چکا ہوں، وہ قوم جس کی معاشی حالت اتنی دگر گوں تھی صرف چند برسوں کے بعد اسلام کے اس نظام کی برکت سے جس نے سود اور جوے کو حرام کیا اور زکوۃ

کے نظام کو رائج کیا، دنیا نے دیکھا کہ اب **لوگ** زکوۃ لے کر گھومتے پھر رہے ہیں کہ کوئی مستحق اور محتاج ملے جس کو ہم دے کر اپنی ذمہ داریوں سے فارغ ہوں۔

تو یہ محض ایک نظریہ نہیں ہے، **بلکہ** وہ نظریہ ہے جو اس زمین پر روبہ عمل آچکا ہے، اس کے بعد بھی اگر سمجھ میں نہیں آئے تو کیا کیا جائے؟؟ یاد رکھئے گا "علم القرآن" اور" وضع المیزان" کے درمیان ایک عظیم رشتہ ہے۔ اس پر ہمیشہ دھیان رکھئے۔

خلق نبوی ﷺ

میرے بزرگو! **اب چلتے چلتے** جب کہ ہماری یہ **مجلس** آخری سانس لے رہی ہے بس چند منٹ کے لئے ایک خاص موضوع کی طرف اشارہ کرتا ہوں جو بہت اہم موضوع ہے، جو پانچ نہیں شاید دس خطبات میں بھی پورا نہ ہو اور وہ ہے" اخلاق محمدی ﷺ" اس لئے کہ آپ کے بارے میں خود ارشاد ربانی ہے انک لعلی خلق عظیم (اے رسول! آپ عظیم ترین اخلاق کے مالک ہیں) اور چوں کہ بہت سے اصحاب **فکر** ونظر یہاں موجود ہیں تو کہنے میں تھوڑا لطف بھی آتا ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ "تخلقوا باخلاق الله" (اللہ کی عادتیں، اللہ کا خلق تم اختیار کرو) بندے اور اللہ کا خلق اختیار کریں، کتنا مشکل کام ہے؟ محققین علماء نے لکھا ہے اور جس کی طرف میں کل اشارہ کر چکا ہوں کہ ہر خلق محمدی کا سرچشمہ کوئی نہ کوئی اسم الٰہی ہے۔ "**صلی الله علی سیدنا محمد**" یہ اسمائے حسنیٰ جو اللہ کے ہیں ان ہی اسمائے حسنیٰ کے سرچشمہ سے خلق محمدی ﷺ کا پیکر ظاہر ہوتا ہے، ظاہر ہے اللہ کی صفت تو بندوں میں آ ہی نہیں سکتی، کیسے آئے گی۔ کوئی سوال نہیں لیکن "تخلقوا باخلاق الله" اللہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ **قوت وصفت** جو انسان میں ہے اس کا مرکزی سرچشمہ اللہ کی ذات کی کسی نہ کسی صفت سے جڑتا ہے۔ اللہ رحیم ہے اس سے رحمت بندے میں آتی ہے، اللہ عادل ہے اور عدل بندے میں آتا ہے، اللہ رقیب ہے ہر چیز کے لئے نگراں ہے، کوئی چیز گڑبڑ نہیں ہونے پائے، شافی ہے بندہ شفا نہیں دے سکتا،

لیکن بندہ ان دواؤں کو تلاش کرسکتا ہے جن کو اللہ نے کسی بھی مرض کے لئے پیدا کر رکھا ہے، اس لئے کہ "ان اللہ لم یخلق داء الا خلق لہ دواء" اللہ نے کوئی ایسی بیماری نہیں پیدا کی ہے جس کی دوا پہلے سے پیدا نہ کردی ہو۔ اب تلاش و تجسس یہ بندہ کرتا ہے، پس اللہ کے اسمائے حسنٰی سے خاص رشتہ ہے اخلاق محمدی ﷺ کا، اور ہم سے اور آپ سے بھی مطالبہ ہے کہ تم خلق محمدی ﷺ کو اختیار کیا کرو۔ کہا گیا "ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء" (زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا) بہر حال دوستو! پھر کبھی اللہ نے کسی اللہ کے بندے کو موقع دیا تو آپ کو ان کی تفصیلات بتائے گا، میں اس وقت صرف ایک بنیادی بات بتانا چاہتا ہوں کہ دنیا میں جو اخلاق پھیلا ہوا ہے، یا مغرب کے اخلاق کی جو بنیادیں ہیں اس میں اور اسلام نے اور حضور ﷺ نے جو اخلاق دیا ہے اس میں بنیادی فرق کیا ہے؟ موضوع بہت ہی گہرا اور طویل گفتگو چاہتا ہے لیکن میں صرف چند اشارے کر کے آگے بڑھ جانا چاہتا ہوں، مغرب نے کہا کہ اخلاق پیدا ہوتا ہے دو نظریوں سے۔ لذتیت سے یا افادیت سے نظریہ افادیت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ شئی جس میں فائدہ محسوس ہو وہ اچھی چیز ہے اور خلق کی بنیاد اس پر ہونی چاہئے۔ کسی نے کہا کہ جذباتیت پر بنیاد ہے، کسی نے کہا کہ ضمیر صادق پر بنیاد ہے، اور کسی نے کہا کہ عقل پر بنیاد ہے، کسی نے کہا کہ فطرت پر بنیاد ہے، افادیت والوں نے خلق کے اتنے الگ الگ معیار بنائے کہ آپ کے ساتھ ہنس کر بات کرنے میں فائدہ ہے تو آپ سے ہنس کر ملنا اخلاق ہے اور آپ کے ساتھ ہنس کر بات کرنے میں فائدہ نہیں ہے تو ہنس کر ملنے کی ضرورت نہیں۔ آپ بڑے سرمایہ دار اس شہر کے ٹھہرے، پتہ نہیں کب کیا کام آپ سے لے لیں گے تو میں نے کھڑے ہو کر آپ کو گلے لگایا، اگر کوئی معمولی آدمی آیا تو سوچا کہ ان سے میرا کیا مفاد؟ خود انہیں کو ہم سے دس بار کام رہتا ہے، میں اس کے لئے کیوں کھڑا ہوں؟ یہ افادیت اور مفادات کی بناء پر انسانوں کے درمیان فرق کرنا اور اس کو برتنا خود غرضی پیدا کرتا ہے۔ اسلامی اخلاق کی بنیاد

ایثار پر ہے، اپنی ضرورت کو دوسروں کی ضرورت پر قربان کرنے کا نام ایثار ہے "یوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ" اسلام کہتا ہے کہ بے شک انسانی فطرت میں اللہ نے خیر اور شر کی تمیز رکھ دی ہے۔ اسلام اس بات کو مانتا ہے کہ خیر وشر اچھے اور برے کی تمیز خود انسان کی فطرت میں موجود ہے، اس کو تم فطرت کہو ضمیر کہو یا عقل کہو۔

علم الاخلاق کے لئے بھی وحی الٰہی ضروری

لیکن یاد رکھو کہ جو کچھ فطرت انسانی میں رکھا ہوا ہے اس کو صحیح طور پر استعمال کرنے اور غلط راستہ سے بچانے کے لئے وحی الٰہی کی ضرورت ہے "فالھمھا فجورھا وتقواھا" اللہ نے نفس کو پیدا کیا اور اسے پیدا کرنے کے بعد انسان کے باطن میں انسان کے اندر فجور اور تقویٰ، نیک وبد کی تمیز اللہ نے اپنے طور پر الہام فرما دیا۔ فطرت انسانی میں خیر وشر کی تمیز اور اس کی پہچان ڈال دی، لیکن عقل عیار ہے سو حیلے بنا لیتی ہے۔ کبھی جذباتیت، کبھی لذتیت، کبھی عقل کی غلط تصویر۔ انسان کے اس فطری احساس نیک وبد کو متاثر کر دیتی ہے اور آدمی غلط راستہ پر چلتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ نبی اور وحی الٰہی ایک چوکیدار بن کر تمہارے سامنے رہے، جو فطرت انسانی کو حقیقی اور اللہ کی طرف سے ڈالے ہوئے احساس کو بگڑنے نہیں دے اور شاید یہی اشارہ ہے اس حدیث میں کہ جب بندہ اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور جذباتیت سے مغلوب ہو کر ایک بار گناہ کرتا ہے تو قلب پر ایک کالا نقطہ پیدا ہو جاتا ہے، اور گناہوں کے تسلسل اور اصرار سے یہ نقطہ پھیل کر پورے دل پر چھا جاتا ہے۔ پھر احساس خیر وشر اور تمیز نیک وبد اس دل سے مٹ جاتی ہے اب ضرورت ہے کہ اس کو کھرچا جائے، اس کو گھسا جائے اور اس کے اوپر چھائی ہوئی سیاہی دور کی جائے، یہ وہی کر سکتا ہے جس کی شان یہ ہے کہ وہ لوگوں کا تزکیہ کرتا ہے۔ "ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ" (الجمعۃ: ۲) "وہ اللہ ہی ہے جس نے بھیجا ایک رسول، اس رسول کا کام یہ ہے کہ وہ

اللہ کی آیتیں تلاوت کر کے سناتا ہے وہ انسانوں کے دلوں کو مانجھتا ہے اور وہ کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے''، پس لوگو تمہاری فطرت میں چھپا ہوا احساس گناہ اور احساس خیر وشر اور احساس نیک وبد بہت مبارک سرمایہ ہے جو تمہارے سینہ میں اللہ نے پہلے سے رکھ رکھا ہے، اب وحی محمدی، خلق نبوی، حضور ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات اور حضور ﷺ کے پیش کیے ہوئے عمل اور آپ ﷺ کے بتائے ہوئے راستے کے مطابق زندگی گذاریں۔ یقین ہے کہ اس سے تمہاری دنیا بھی سنورے گی اور آخرت بھی۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

نفسی الفداء لقبر أنت ساکنه

فیه العفاف وفیه الجود والکرم

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمهٗ

فطاب من طیبهن القاع والاکم

تغیر پذیر حالات میں

تفقہ کے تقاضے اور ہم

مؤلف

ڈاکٹر یوسف القرضاوی

مترجم

مفتی نسیم احمد قاسمیؒ

ایفا پبلیکیشنز، نئی دھلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	تغیر پذیر حالات میں تفقہ کے تقاضے اور ہم
		(حاجتنا إلى فقه جديد)
مؤلف	:	علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی
مترجم	:	مفتی نسیم احمد قاسمیؒ
اشاعت اول	:	نومبر ۱۹۹۲ء
اشاعت دوم	:	اکتوبر ۲۰۱۰ء
صفحات	:	۴۰
ISBN	:	978-81-910932-2-3
قیمت	:	۲۲/روپے

ناشر

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱-ایف بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸

جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

فون: 011-26981327

ای میل: ifapublications@gmail.com

مجلس ادارت

۱- مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی

۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

۳- مولانا بدر الحسن قاسمی

۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۵- مولانا عتیق احمد بستوی

۶- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

٣

بسم الله الرحمن الرحيم

٦

فہرست

پیش لفظ	۹
توجہ طلب	۱۱
جدید فقہ کی ضرورت	۱۴
مطلوبہ فقہ کی اقسام	۲۰
فقہ شرعی	۲۱
فقہ واقعی	۲۲
فقہ الاولویات	۳۱

八

پیش لفظ

احکام شریعت کے فہم صحیح کو "تفقہ" کہتے ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "من یرد اللہ بہ خیرا یفقه في الدین" (اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں، اسے دین کا فہم صحیح عطا فرماتے ہیں)۔

دین کے فہم صحیح کے لئے ضروری ہے کہ ایک طرف خالق کائنات سے اس کا رشتہ استوار ہو، دوسری طرف وہ خلق اللہ کی ضرورتوں اور مصلحتوں سے آگاہ ہو، وہ کتاب وسنت کا غواص بھی ہو، اور اپنے عہد کے تقاضوں سے باخبر اور سماج کا نباض ہو، اس لئے یہ موضوع بہت اہم ہے کہ موجودہ تیز رفتار تبدیلیوں کے عہد میں تفقہ کے تقاضے کیا ہیں؟

چنانچہ عالم اسلام کے ممتاز فقیہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے اس موضوع پر "حاجتنا إلی فقه جدید" کے نام سے ایک مختصر مگر جامع رسالہ تحریر فرمایا ہے، ممکن ہے کہ ان کی بعض آراء سے اختلاف کیا جائے؛ لیکن جن گوشوں کو انھوں نے نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے اور جن جہتوں سے احکام فقہیہ پر غور کرنے کی دعوت دی ہے، ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اس رسالہ کی اہمیت وافادیت کی وجہ سے نوجوان فاضل مولانا مفتی نسیم احمد قاسمی مرحوم (سابق رفیق اسلامک فقہ اکیڈمی و نائب ناظم امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ) نے اس کو اردو کا جامہ پہنایا، اکیڈمی دوسری بار اس علمی سوغات کو اہل علم ونظر کی بارگاہ تک پہنچا رہی ہے، مترجم مرحوم دار العلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں تھے، اللہ نے انہیں علم وتحقیق اور خطابت وتالیف کا بڑا جوہر عطا فرمایا تھا؛ مگر افسوس کہ جواں عمری میں دنیا سے رخصت ہوگئے، اللہ تعالیٰ ان کی

حسنات کو قبول فرمائے۔

خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو قبول فرمائے اور اس سے زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے۔

واللہ ہو المستعان۔

۲۱؍شوال ۱۴۳۱ھ — خالد سیف اللہ رحمانی

یکم اکتوبر ۲۰۱۰ء — (جنرل سکریٹری)

توجہ طلب

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ فقہ اسلامی کی تدوین اور اس کا عروج وارتقاء ایسے ادوار میں ہوا جب کہ دنیا کے بیشتر ممالک اسلامی حکومت کے زیرِ نگین تھے۔ ہر طرف اسلامی قانون کا بول بالا تھا۔ مسلمان اسلام کے زیرِ سایہ زندگی گزار رہے تھے۔ وہ دنیا کے حاکم تھے اور نظام اسلامی کو غلبہ اور برتری حاصل تھی۔ اس لیے فقہ اسلامی کی زیادہ تر دفعات، جزئیات ومسائل انہی حالات اور مسائل سے بحث کرتی ہیں، جن میں مسلمان صاحب قوت واقتدار تھے، مگر جوں جوں زمانہ انقلابات سے دوچار ہوتا گیا، اسلامی حکومتیں مخصوص خطوں تک محدود ہو کر رہ گئیں، زیادہ تر مسلم آبادیاں ایسے ممالک کے زیرِ اثر زندگی گذارنے پر مجبور ہوگئیں جہاں انھیں اقتدار حاصل نہیں، اور نہ انھیں وہاں اسلامی نظامِ حیات اور قوانین شریعت کے مطابق زندگی گذارنے کا اختیار حاصل ہے۔ وہ تمام مسلمان جو غیر اسلامی حکومتوں کے زیرِ اثر اقلیتی زندگی گذار رہے ہیں۔ وہ ایسے حالات ومسائل اور مشکلات سے دوچار ہورہے ہیں جن کا تصور بھی فقہ کی تدوین وارتقاء کے زمانہ میں ممکن نہیں تھا...... اور ان مشکلات کا حل فقہ کے موجودہ ذخیرہ میں نظر نہیں آتا، بے شک فقہ اسلامی کے قدیم ذخیرہ میں ہمارے لیے سرمایۂ حیات اور بیش بہا خزانہ ہے مگر اس وقت اس کی سخت ضرورت ہے کہ "فقہ الاقلیات" کے نام سے ایک مستقل فقہ کی تطبیق وتشکیل کا فریضہ کتاب وسنت اور علمائے امت کے متعین کردہ رہنما اصولوں کی مدد سے انجام دیا جائے جس میں مسلمانوں کے اس طرح کے مسائل ومعاملات کا مکمل حل موجود ہو۔ مثلاً:

1۔ اس وقت بین الاقوامی تعلقات وروابط کے پیشِ نظر غیر اسلامی ممالک سے تعلقات قائم کرنا۔

2۔ غیر اسلامی حکومتوں میں اہلِ اسلام کے لیے کلیدی عہدوں اور ملازمتوں کو قبول کرنا۔

3۔ غیر اسلامی نظام مثلاً موجودہ بینکنگ، انشورنس، دفاع اور سیکرٹ سروسز وغیرہ کے اہم شعبوں میں مسلمانوں کی شمولیت، اور ان جیسے بے شمار ایسے مسائل ہیں جن پر از سرِنو فقہ الاقلیات کی روشنی میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔

علامہ یوسف القرضاوی، اپنی تحقیقی فکر اور علمی خدمات کی وجہ سے کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ زیرِ نظر مضمون ' حاجتنا الی فقه جدید ' (ہمیں اس وقت ایک فقہِ جدید کی ضرورت ہے) اسی جذبے سے تحریر فرمایا ہے۔

علماء، فقہاء اور مفتیانِ کرام کے لیے اس اہم مضمون کی افادیت کے پیشِ نظر اس کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ غور وفکر کے نئے زاویے سامنے آسکیں۔

مترجم: مفتی نسیم احمد قاسمیؒ

(سابق نائب ناظم امارت شرعیہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرا خیال ہے کہ پہلا میدان فکری میدان ہے، کیونکہ یہی دعوت وتربیت کی بنیاد واساس ہے۔ یہ بات مجھ پر پوری طرح واضح ہو چکی ہے کہ درحقیقت ہم سب سے زیادہ فکری بحران کا شکار ہیں، اسلام کو سمجھنے ہی میں بہت سے لوگ اس غلطی کا شکار نہیں ہوئے ہیں؛ بلکہ اسلامی تعلیمات کے شعور اور اس کے مراتب کے سلسلے میں بھی ہم سے بہت کوتاہی ہوئی ہے کہ ان میں سے کون سے امور ومعاملات اہم ہیں اور کون سے غیر اہم۔

ہم موجودہ حالات اور ماحول ہی سے بے بہرہ اور ناواقف نہیں ہیں؛ بلکہ ہم دوسروں سے لاعلمی اور ناواقفیت کی بنا پر کشش وپیچ میں مبتلا ہیں جب کہ دوسرے لوگ ہمارے متعلق ہر بات حتی کہ ہمارے اندرونی امور ومعاملات سے بھی واقفیت رکھتے ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ہم خود اپنے آپ سے بھی ناواقف ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ آج ہم نہ صرف اپنی قوت وطاقت سے بےخبر ہیں بلکہ اپنی کمزوریوں سے بھی ناواقف ہیں۔ ہم بیشتر معمولی امور کو غیر معمولی اہمیت دینے اور غیر معمولی امور کو حقیر ومعمولی سمجھنے کی غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں؛ خواہ وہ ہمارے اندر کی صلاحیتوں اور عیوب ہی سے متعلق کیوں نہ ہوں۔

یہ جہالت اور ناواقفیت عوام ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں وہ اکابرین بھی شامل ہیں جن سے اسلام کی نصرت واعانت کی امیدیں وابستہ ہیں اور جو ان نادر روزگار شخصیات کی نمائندگی کرتے ہیں جن پر اسلامی عمل کا دارومدار ہے۔

فقہ جدید کی ضرورت:

اس وقت ہمیں ایک نئی فقہ ''بصیرت'' کی ضرورت ہے، تاکہ ہمارا شمار بھی ان لوگوں میں ہو سکے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قوم یفقھون'' (سورہ انعام ۹۸)۔

ترجمہ: ''یہ وہ لوگ ہیں جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں''

فقہ سے ہماری مراد ''اصطلاحی علم فقہ'' نہیں ہے جو ادلۂ تفصیلیہ سے جزئی احکام شرعیہ کی معرفت کا نام ہے۔ جیسے پاکی ناپاکی، عبادات اور معاملات کے احکام، نکاح وطلاق، رضاعت اور اس جیسے احکام۔

یہ اصطلاحی فقہ اپنی اہمیت وافادیت کے باوجود آج ہماری گفتگو کا موضوع نہیں ہے اور نہ قرآن وحدیث میں یہ لفظ اصطلاحی فقہ کے مفہوم میں آیا ہے بلکہ بعد میں فقہاء نے اس لفظ کو اس مفہوم میں استعمال کیا ہے جیسا کہ امام غزالی نے اپنی معروف اور جامع کتاب ''احیاء علوم الدین'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔

قرآن کریم میں (ف، ق، ہ) کے مادہ کا ذکر ان مکی سورتوں میں ہوا ہے جو فرائض وواجبات کی فرضیت اور وجوب اور امر ونہی، حدود اور دیگر تفصیلی احکام کے نزول سے پیشتر نازل ہوئی ہیں۔ سورہ انعام کا مطالعہ کیجیے جو ایک مکی سورت ہے، اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''قل هو القادر على أن يبعث عليكم عذاباً من فوقكم أو من تحت أرجلكم أو يلبسكم شيعا ويذيق بعضكم بأس بعض، أنظر كيف نصرف الأيات لعلهم يفقهون'' (سورہ انعام ۶۵)۔

(کہو، وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب اوپر سے نازل کردے یا تمہارے

قدموں کے نیچے سے برپا کردے، یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزہ چکھادے۔ دیکھو ہم کس طرح بار بار مختلف طریقوں سے اپنی نشانیاں ان کے سامنے پیش کرر ہے ہیں شاید کہ وہ حقیقت کو سمجھ لیں)۔

اسی سورت میں ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وهو الذی أنشاکم من نفس واحدة فمستقر ومستودع، قد فصلنا الأيات لقوم يفقهون'' (سورہ انعام ۹۸)۔

(اور وہی ہے جس نے ایک جان سے تم کو پیدا کیا، پھر ہر ایک کے لیے ایک جائے قرار ہے اور ایک اس کے سونپے جانے کی جگہ، یہ نشانیاں ہم نے واضح کردی ہیں ان لوگوں کے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں)۔

ان دونوں آیتوں میں فقہ کا جو مفہوم پایا جاتا ہے وہ آفاق وانفس میں کارفرما اللہ کے ضابطوں پرغور وفکر اوراس کی مخلوق اوراس کی راہ سے روگردانی کرنے والوں کے انجام وسزا کے قوانین پرغوروخوض عبرت ونصیحت اور معرفت کا مفہوم ہے۔

اللہ تعالیٰ سورۂ احزاب جو مکی سورت ہے، میں ان افراد کی نشاندہی کرتے ہوئے انھیں محض اس لیے جہنم کا ایندھن قرار دیتا ہے کہ ان کے اندر غوروفکر اور تدبر کی صفت نہیں پائی جاتی۔

''لهم قلوب لايفقهون بها'' ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے غوروفکر نہیں کرتے۔

مزید ان کے بارے میں فرمایا گیا:

''أولئک کالأنعام بل هو أضل'' (سورہ اعراف ۱۷۹)۔

(یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں)۔

قرآن مجید کی بیشتر سورتوں میں جن میں مشرکین کے موقف اور ان کے احوال کی نشاندہی کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتا ہے:

"وجعلنا علی قلوبھم أکنۃ أن یفقھوہ وفی اذانھم وقراً" (سورہ انعام ۲۵)۔

(ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ غوروفکر نہ کرسکیں اور ان کے کانوں میں بوجھ)۔

مدنی سورتوں میں بھی "فقہ" کا مادہ مختلف آیات میں بار بار آیا ہے تاہم ان میں بھی مشرکین سے غوروفکر اور معرفت وبصیرت کی نفی کی صورت میں یہی مفہوم پایا جاتا ہے۔

سورۂ انفال میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"یأ ایھا النبی حرض المؤمنین علی القتال إن یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مأتین وإن یکن منکم مأۃ یغلبوا الفاً من الذین کفروا بأنھم قوم لایفقھون" (انفال/۶۵)۔

(اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مومنین کو جنگ پر ابھارو، اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دوسو غیر مسلمین پر غالب آئیں گے۔ اور اگر تم میں سے سو ہوں تو وہ ایک ہزار کفار پر غالب آئیں گے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ سمجھ بوجھ سے کام نہیں لیتے)۔

اس آیت میں قتال کرنے والے مشرکین سے فقہ یعنی سمجھ بوجھ کی نفی کی گئی ہے، یہاں فقہ سے اللہ کے ان ضابطوں اور قوانین میں فکروتدبر مراد ہے جو فتح ونصرت اور گردش ایام میں جاری ہیں۔

سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ منافقین کی مذمت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''رضوا بأن یکونوا مع الخوالفِ وطبع علی قلوبهم فهم لایفقهون'' (توبہ/ ۸۷)۔

(وہ اس پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہ جانے والوں کے ہمراہ رہ جائیں اور ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہے سو وہ سمجھتے نہیں)۔

اس آیت میں جس فقہ کی نفی کی گئی ہے اس سے جہاد کی اہمیت وضرورت، دین اسلام کی حمایت ونصرت کے لیے جان ومال کی قربانی اور امت مسلمہ کے مفادات کے بارے میں غور وفکر اور تدبر مراد ہے؛ کیوں کہ یہ تمام امور دوسری تمام فوری ضرورتوں اور مصلحتوں پر مقدم ہیں۔

اسی سورہ میں منافقین کی کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا گیا:

''وإذا ما أنزلت سورة نظر بعضهم إلی بعض هل یراکم من أحد ثم انصرفوا صرف الله قلوبهم بأنهم قوم لایفقهون'' (توبہ: ۱۲۷)۔

(جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہیں کہ کہیں کوئی تم کو دیکھ تو نہیں رہا ہے، پھر چپکے سے نکل بھاگتے ہیں۔ اللہ نے ان کے دل پھیر دیے ہیں کیوں کہ یہ ناسمجھ لوگ ہیں)۔

سورۂ حشر میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے منافقین کے بارے میں فرماتا ہے:

''لأنتم أشد رهبة فی صدورهم من الله ذلک بأنهم قوم لایفقهون'' (حشر: ۱۳)۔

(تم لوگوں کا خوف ان کے دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے، یہ اس لیے کہ یہ

ایسے لوگ ہیں جو سمجھ سے کام نہیں لیتے)۔

اور سورۂ منافقین میں فرمایا گیا:

’’ذلک بأنہم امنوا ثم کفروا فطبع علی قلوبہم فہم لایفقہون‘‘ (منافقون/ ۳)۔

(یہ محض اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے؟ کیوں کہ یہ ایسے ہیں جو سمجھ بوجھ نہیں رکھتے)۔

اسی سورہ میں آگے فرمایا گیا:

’’ہم الذین یقولون لاتنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی ینفضّوا وللہ خزائن السمٰوات والأرض ولکن المنافقین لا یفقہون‘‘ (منافقون:۷)۔

(یہی لوگ تو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس جمع ہیں، ان پر کچھ مت خرچ کرو، یہاں تک کہ وہ (آپ ہی) منتشر ہو جائیں گے؛ حالاں کہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے ہیں البتہ منافقین ہی نہیں سمجھتے)۔

ان آیات کی وجہ سے اہل نفاق کا وصف قرآنی یہ ہو گیا کہ یہ لوگ سمجھ بوجھ نہیں رکھتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ منافقین اپنے کو ذہین ترین افراد سمجھتے تھے۔ وہ ایمان وکفر کی دونوں رسیوں کے ساتھ کھلواڑ کرنا اور اپنی اس دورخی پالیسی سے دونوں جانب رہنا چاہتے تھے اور اس طرح وہ اپنے زعم کے مطابق اللہ اور اہل ایمان کو دھوکہ دے رہے تھے۔ چنانچہ جب وہ اہلِ ایمان سے ملتے تو کہتے کہ ہم بھی اہلِ ایمان ہیں اور جب وہ کفار ومشرکین سے تنہائی میں ملتے تو کہتے کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔

لیکن منافقین اپنی دورخی پالیسی میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے

رازکو فاش کردیا، ان کو رسوا کیا اور بہت سی آیات میں ان کے مکروفریب کی قلعی کھول دی۔
سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"یخادعون اللہ والذین امنوا وما یخدعون إلا أنفسھم وما یشعرون" (بقرہ۹)۔

(منافقین اللہ اور اہل ایمان کو دھوکہ دے رہے ہیں؛ حالانکہ وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں مگر انہیں اس کا احساس نہیں ہے)۔

منافقین کی رسوائی اللہ کے نزدیک بھی ہوئی اور لوگوں کے نزدیک بھی، اور دنیا اور آخرت دونوں جہاں کا خسارہ ان کا مقدر بنا، اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمادیا:

"أن المنافقین فی الدرک الأسفل من النار" (نساء ۱۴۵)

(منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے)۔

تو بھلا اس حماقت و نادانی سے بڑھ کر اور کیا حماقت و نادانی ہوسکتی ہے کہ آدمی نہ اس جہاں کا رہا اور نہ اس جہاں کا، اور جب منافقین کا یہ حال ہے تو بلاشبہ ان کے پاس عقل وفکر نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

خلاصہ: ماحصل یہ ہے کہ لغت قرآن میں فقہ سے اصطلاحی فقہ مراد نہیں ہے بلکہ اس سے اللہ کی آیات میں اور کائنات، حیات انسانی اور معاشرے میں جاری وساری اللہ کے ضابطوں اور قوانین پر غوروفکر اور تدبر مراد ہے۔

اسی طرح سورۂ توبہ میں جو "تفقہ فی الدین" کا ذکر ہے اس سے بھی اصطلاحی فقہ مراد نہیں ہے۔

"وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ" (التوبة ۱۲۲)۔

(اور مؤمنین کو نہیں چاہئے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں، یہ کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے ایک حصہ نکل کھڑا ہوا کرے تا کہ (یہ باقی لوگ) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں، اور تاکہ یہ قوم کو ڈراتے رہیں جب وہ ان کے پاس آجائیں، عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں)۔

اس تفقہ فی الدین سے فقہ تقلیدی مراد نہیں ہے؛ کیوں کہ فقہ تقلیدی کے نتیجہ میں انذار پیدا نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ فریضۂ دعوت کی ادائیگی کی راہ میں فقہ تقلیدی رکاوٹ بنتی ہے۔ ایسے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: "مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْراً يَّفقهه في الدين ●

(اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اس کی بصیرت کو روشن کر دیتا ہے، جس کے نتیجہ میں وہ حقائقِ دین اور اس کے اغراض ومقاصد کی تہہ تک رسائی حاصل کرتا ہے، صرف اس کے الفاظ اور ظاہری حقیقتوں پر اس کی نگاہ نہیں رہتی۔

مطلوبہ فقہ کی اقسام

میں نے اپنی متعدد تحریروں میں مطلوبہ فقہ کی قسمیں بیان کی ہیں۔ میں نے اپنی

کتاب ''الصحوۃ الاسلامیہ بین الاختلاف المشروع والتفریق المذموم'' میں اس کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں ۔اس کا موضوع ''فقہ الاختلاف'' ہے جو مطلوبہ فقہ کے اقسام میں سے ایک قسم ہے مگر اس جگہ میں ان میں سے صرف دو کے ذکر پر اکتفا کروں گا جو حسبِ ذیل ہیں:

۱۔فقہ الموازنات

۲۔فقہ الاولویات

فقہ الموازنات سے ہماری مراد چند امور ہیں:

(الف) مصالح کے مابین حجم، وسعت، عمق وتاثیر اور بقاء ودوام کے لحاظ سے موازنہ کرنا کہ ان میں سے کس کو مقدم رکھا جائے اور کس کا اعتبار کیا جائے اور ان میں سے کس کو لغو قرار دے کر ساقط کیا جائے ۔

(ب) اسی طرح مذکورہ جہتوں سے مفاسد کے مابین موازنہ کرنا کہ ان میں سے کس کو مقدم کرنا واجب ہے اور کس کو مؤخر اور ان میں سے کس کو ساقط کیا جائے ۔

(ج) اگر مفاسد اور مصالح کے مابین تعارض ہو جائے تو ان میں موازنہ کرنا کہ جلبِ مصلحت پر کب دفع ضرر ہو گا اور کب مصلحت کی بنا پر مفسدہ قابلِ معافی امر ہے ۔

اور یہی وجہ ہے کہ ہمیں اس مقام پر دو مساوی فقہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ۔

۱۔فقہ شرعی

جو نصوص شرع اور اس کے مقاصد کے عمیق اور گہرے فہم پر مبنی ہوتا کہ فقہ الموازنات کی صحت تسلیم کی جا سکے۔ اس کے دلائل ہر اس شخص پر روشن ہوں گے جس نے

احکام شرعیہ کی تحقیق وتدقیق کی ہوگی اور اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کی ہوگی؛ اس لیے کہ شریعت کی آمد کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ بندوں کے مصالح کو ان کے معاش ومعاد میں ملحوظ رکھے اور ان مصالح کو ضرورت، حاجت اور تحسین کی بنیاد پر مقدم ومؤخر کرے۔

۲- فقہ واقعی

جو زندہ حقائق، ہمہ پہلو، دقیق اور بالاستیعاب مطالعہ اور تحقیق پر مبنی ہو، اور جس کا مطالعہ غیر حقیقی اور غیر مستند پروپیگنڈے، ناقص معلومات اور نامکمل رپورٹوں کے گمراہ کن اعدادوشمار کے بجائے قابلِ اعتماد معلومات اور صحیح اور دقیق رپورٹوں اور اعدادوشمار کی روشنی میں کیا جائے، اور جس میں کسی خاص جزوی مقصد کے حصول کے برخلاف حقیقی اور کلی مقاصد کے حصول کو پیشِ نظر رکھا گیا ہو۔

چنانچہ اس کے لیے ضروری ہے کہ فقہ واقعی اور فقہ شرعی دونوں کامل ہوں تاکہ اس کے نتیجے میں ایسے علمی موازنہ کی طرف رسائی ہوسکے جو درست اور ہر افراط وتفریط اور مبالغہ آرائی اور غلو پسندی سے پاک ہو، اور جہاں تک اس سلسلہ میں شرعی پہلو کا تعلق ہے تو وہ بالکل واضح ہے اور اصول فقہ کی کتابیں المستصفی، الموافقات، قواعد، الاشباہ اور فروق کی کتابیں اس سے بھری ہوئی ہیں کہ اگر مصالح کے مابین تعارض پیدا ہوجائے تو اخروی مصلحت کے پیش نظر دنیوی مصلحت متروک ہوگی، اور مصلحتِ عامہ کی خاطر مصلحتِ خاصہ کو برداشت کیا جائے گا؛ البتہ مصلحتِ خاصہ والے کو اس کے مصالح کے فوت ہونے کا عوض دیا جائے گا یا مصلحتِ خاصہ کے فوت ہونے سے اسے جو ضرر لاحق ہوا ہو اس کی تلافی کی جائے

گی۔ اس طرح دائمی اور طویل المیعاد مصلحت کی خاطر عارضی مصلحت چھوڑ دی جائے گی، اور بنیادی وجوہری مصلحت کی وجہ سے ظاہری وشکلی مصلحت نظر انداز کر دی جائے گی، اور ظنی وخیالی مصلحت پر یقینی مصلحت کو فوقیت دی جائے گی۔

صلح حدیبیہ میں یہ بات بہت واضح انداز میں سامنے آتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل میں پیش آنے والے حقیقی اور اساسی مصالح کے پیش نظر وقتی مصالح اور اعتبارات کو نظر انداز کر دیا تھا جن پر بعض صحابہ کو اصرار تھا اور مصالح کی بنا پر ہی آپؐ بعض ایسی شرائط قبول کرنے پر رضامند ہو گئے تھے جن کو قبول کرنے میں بیک نظر امت مسلمہ کو سبکی محسوس ہو رہی تھی؛ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر بھی آمادہ ہو جاتے ہیں کہ صلح نامہ سے بسم اللہ کے حروف مٹا دیے جائیں اور اس کی جگہ پر "باسمک اللہم" لکھا جائے اور یہ کہ صلح نامہ سے وصفِ رسالت (رسول اللہ) مٹا کر صرف محمد بن عبد اللہ لکھا جائے۔ اس طرح کی بہت ساری مثالیں ہیں۔

اور جب مفاسد اور مضار میں تعارض ہو جائے اور ان سے چھٹکارہ پانے کی کوئی صورت نہ ہو تو اس صورت میں جس میں مفسدہ کم ہو اور جس کا ضرر ہلکا ہو اسے اختیار کیا جائے گا، جیسا کہ فقہاء نے اصول بیان کیا ہے کہ ضرر کو حتی الامکان دور کیا جائے گا، اور ضرر کو اس کے مثل یا اس سے بڑے ضرر کے ذریعہ دور نہیں کیا جائے گا اور یہ کہ ضرر اعلیٰ کے دفاع کی خاطر ضرر ادنیٰ گوارہ کر لیا جائے گا۔ اور ضرر عام کو دور کرنے کے لیے ضرر خاص برداشت کر لیا جائے گا اس کی بے شمار مثالیں اور تطبیقات ہیں جو قواعد فقہ اور اشباہ ونظائر کی کتابوں میں منقول ہیں۔

اور اگر مصالح ومفاسد اور منافع ومضار کے مابین تعارض ہو جائے تو اصول یہ ہے

کہ مصلحت ومفسدہ میں سے ہر ایک کے حجم، اثر اور انجام کو دیکھا جائے گا، اگر کسی مفسدہ کے ارتکاب کی صورت میں بڑی مصلحت کا حصول متوقع ہوتو اسے گوارہ کرلیا جائے گا، اسی طرح اگر مفسدہ خواہ وہ بڑا ہی کیوں نہ ہوتا ہم اس کے ارتکاب میں اس سے بڑے مفسدہ کا ازالہ ہوتا ہوتو اسے قبول کرلیا جائے گا، اور عام حالات میں دفع ضرر جلبِ منفعت سے مقدم ہوگا۔

اہم بات یہ نہیں ہے کہ ہم اس فقہ کو صرف نظری اور علمی اعتبار سے تسلیم کریں بلکہ اسے ہم عملی زندگی میں نافذ بھی کریں۔

ان موازنات پر بہت سے وہ مسائل ومعاملات موقوف ہیں جن کے اسباب میں اختلاف پایا جاتا ہے، مثلاً:

۱- کیا کسی غیر اسلامی طاقت کے ساتھ معاہدہ کیا جاسکتا ہے؟

۲- غیر اسلامی حکومتوں سے مصالحت کی جاسکتی ہے اور ان کے ساتھ مداہنت کا رویہ اختیار کیا جاسکتا ہے؟

۳- کیا کسی ایسے حکم میں شرکت کی جاسکتی ہے جو پورے طور پر غیر اسلامی ہو؟ یا کسی ایسے دستور وقانون کا سہارا لیا جاسکتا ہے جسے ہم کلّی طور پر پسند نہیں کرتے؟

۴- کیا سودی اقتصادی نظام کے ساتھ اسلامی نظامِ اقتصادیات کا قیام ہمارے لیے ممکن ہے؟

۵- کیا ہم مسلم افراد کو اس کی اجازت دے سکتے ہیں کہ وہ بینکوں اور سودی اداروں میں ملازمت کریں؟ یا اس طرح کی ملازمت سے ہر دیندار مسلمان علیٰحدہ رہے؟

اس سلسلہ میں تنقیح مسئلہ تو آسان ہے مگر اسے عملی جامہ پہنانا اور اس کی ممارست مشکل امر ہے؛ کیوں کہ فقہ الموازنات ہر اس شخص کے لیے مشکل امر ہے جو ادنیٰ سبب سے

بھی تشویش اور پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے۔

چنانچہ علامہ مودودی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی جماعت نے جب فقہ الموازنات کی روشنی میں ایوب خاں کے مقابلے میں مسٹر جناح کی بہن فاطمہ جناح کے انتخاب کو ترجیح دی، تو ان پر مخالفین نے حدیثِ رسول: "لَنْ یُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمْ اِمْرَاۃً" (وہ قوم ہرگز فلاح یاب نہیں ہوسکتی جس نے کسی عورت کو اپنا رہنما بنایا) کی بنیاد پر اعتراضات کی بوچھار کر دی مگر ان حضرات نے یہ نہیں سوچا کہ کیا وہ قوم فلاح یاب ہوسکتی ہے جس نے ظالم و جابر افراد کو اپنا قائد بنایا۔ ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتی!

اس جگہ کا تقاضہ یہ ہے کہ غور و فکر کیا جائے کہ دو شر میں سے کون سا شر خفیف ہے، اور دونوں برائیوں میں سے کون سی برائی ہلکی ہے، لہٰذا اعلیٰ کے مقابلے میں ادنیٰ کو اختیار کیا جائے۔

اسی طرح ڈاکٹر حسن الترابی اور ان کے اخوان نے سوڈان میں نمیری دورِ اقتدار میں اشتراکی اتحاد میں شرکت کی اور ان کی طرف سے بعض مناصب بھی قبول کر لیے؛ چنانچہ انھیں بھی بعض اسلامی جماعتوں کی طرف سے سخت ردِعمل کا سامنا کرنا پڑا۔

اسی طرح برادرانِ سوریا نے جب اس نظام کی بیخ کنی کے لیے جو ان کا صفایا کرنا چاہتا تھا، بعض غیر اسلامی طاقتوں کے ساتھ معاہدہ کر لیا تو ان کے خلاف بھی اسی قسم کا ردِعمل سامنے آیا، حالانکہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ خزاعہ سے ان کے مشرک ہونے کے باوجود معاہدہ کیا تھا اور بعض مشرکین کے خلاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے تعاون بھی لیا تھا۔

اس جگہ میری گفتگو کا منشا نہ تو اس طرح کے موقف اختیار کرنے والے افراد کی

نصرت وحوصلہ افزائی ہے اور نہ ان کے مخالفین کی، بلکہ صرف فقہ الموازنات کی اساس کو ثابت کرنا ہے جس پر سیاست شرعیہ کی بنیاد و اساس ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے مواقف اور ادلۂ شرع میں اس کی تائیدات موجود ہیں۔ مثلاً:

۱- غیر اسلامی حکومت میں شرکت کا جواز۔

۲- غیر اسلامی طاقتوں کے ساتھ معاہدے کی اجازت۔

قرآن کریم کی مکی و مدنی سورتوں میں غور وفکر کرنے والا شخص فقہ الموازنات اور ترجیح سے متعلق بہت سے دلائل پائے گا۔ مصالح کے مابین موازنہ کرنے کے سلسلے میں حضرت ہارون علیہ السلام کی زبانی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"قَالَ يَا ابْنَ اُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَاْسِي اِنِّي خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْ اِسْرَائِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ" (طٰہٰ/ ۹۴)۔

اے میرے بھائی! میری داڑھی اور سر کو مت پکڑو، مجھے تو اس بات کا اندیشہ تھا کہ آپ یہ نہ کہہ دیں کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان تفرقہ ڈال دیا اور میرے حکم کا انتظار نہیں کیا۔

اور مفاسد وضرر کے مابین موازنہ کرنے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استشہاد کیا جا سکتا ہے جو قرآن میں کشتی کے توڑنے کی علت بیان کرتے ہوئے حضرت خضر کی زبانی بیان ہوا ہے:

"اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا" (سورۂ کہف/ ۷۹)۔

(بہر حال وہ کشتی چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کرتے تھے۔ میں نے اسے اس لیے عیب دار بنا دیا کیوں کہ ان کے پیچھے ایک ایسا بادشاہ تھا جو ہر اچھی کشتی کو غصب

کرلیتا تھا)۔

کیوں کہ کشتی کا عیب دار ہوکر کشتی والوں کی ملکیت میں رہنا اس کے ضائع ہونے سے بہتر ہے، کلی ضیاع کے مقابلے میں جزوی ضیاع بہتر اور اولیٰ ہے۔ موازنات کی تائید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس سے زیادہ بلیغ اور موثر ہے:

''یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْه قُلْ قِتَالٌ فِيْه كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِه وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِه مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ'' (بقرہ/۲۱۷)۔

وہ لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال کرنے کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ فرمادیجیے کہ اس میں قتال کرنا بڑے گناہ کی بات ہے، اور اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنا، اللہ کا انکار کرنا، مسجد حرام سے روکنا، اور اس کے رہنے والوں کو اس سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے، اور فتنہ انگیزی، خوں ریزی سے بڑھ کر ہے)۔

اس آیت کریمہ میں بتایا گیا کہ شہر حرام میں قتال کرنا تو یقیناً بڑا گناہ ہے لیکن اگر اعظم برائی کو ختم کرنے کے لیے اس کا ارتکاب کیا جائے تو اسے گوارہ کیا جائے گا۔

معنوی اور مادی صالح کے مابین موازنہ کرنے کے سلسلے میں ہمیں قرآن کریم کی وہ آیت پیش نظر رکھنی چاہیے جو غزوۂ بدر کے سلسلے میں مسلمانوں کی سرزنش کے لیے نازل ہوئی تھی:

''مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَه اَسْرىٰ حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ'' (انفال/۶۷)۔

کسی نبی کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ

دشمنوں کو زمین میں اچھی طرح نہ کچل دے۔ تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو جب کہ اللہ کے پیشِ نظر آخرت ہے اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔

مصالح اور مفاسد کے درمیان موازنہ کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْھِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُھُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِھِمَا“ (البقرہ/۲۱۹)۔

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کی بابت سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں مگر ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑھ کر ہے۔

غیر اسلامی جماعتوں اور طاقتوں کے مابین موازنہ کرنے کے سلسلے میں سورہ روم کی ابتدائی آیتیں ہیں جس میں رومیوں کے اہل فارس پر غالب ہونے کا تذکرہ ہے حالاں کہ دونوں فریق غیر مسلم تھے۔ مگر چونکہ اہل روم اہلِ کتاب تھے اس بنیاد پر وہ آگ کے پرستار مجوسیوں کے مقابلے میں مسلمانوں سے زیادہ قریب تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا اس سلسلے میں بڑا واضح بیان ہے کہ ظالم حکومت میں اگر کوئی شخص اس نیت سے کوئی عہدہ قبول کرتا ہے کہ وہ ظلم کو کم کرنے کی یا شر وفساد کو جڑ سے اکھاڑنے کی بھرپور سعی کرے گا تو ایسے شخص کے لیے ظالم حکومت کی طرف سے دیا گیا عہدہ قبول کر لینا جائز ہوگا۔

ایک جگہ شیخ الاسلام نے مستقل ایک فصل اس بارے میں قائم کی ہے کہ اگر حسنات کے مابین، یا سیئات کے مابین یا ان دونوں کے مابین تعارض ہو جائے اور حسنات وسیئات کے مابین تفریق ممکن نہ ہو بلکہ صورتحال یہ ہو کہ یا تو ان دونوں پر عمل کیا جائے یا

ان دونوں کوترک کردیا جائے تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

بعض جماعتیں جو اسلامی اقتصادیات میں تخصص کا درجہ رکھتی ہیں، اس کے فقہاء اور ماہرینِ اقتصادیات نے یہ فتویٰ دیا کہ:

''اسلامی ممالک کے وہ مالیاتی ادارے اور کمپنیاں جو نفع کو تمام شرکاء اور حصہ داروں پر تقسیم کرتی ہیں، ان کا طریقۂ عمل مباح ہوتا ہے، مگر اس میں سود کا شائبہ بھی پایا جاتا ہے....... اس طرح کی کمپنیوں اور اداروں میں شرکت مشروع ہے''۔

ان حضرات کا یہ فیصلہ فقہ الموازنات پر مبنی ہے۔

کیا اس طرح کی اہم اور موثر کمپنیاں صرف غیر مسلم یا متدین مسلمانوں کے لیے چھوڑ دی جائیں؟ اس میں بڑا خطرہ ہے۔ خاص طور پر بعض ممالک میں .... جب کہ اس طرح کے اداروں اور کمپنیوں میں شرکت کی صورت میں حصہ دار کے لیے یہ ممکن ہے کہ نفع کے جتنے حصّوں میں سودی نفع کا اشتباہ ہوگیا ہے اسے فقراء مسلمین پر صدقہ کردے۔

فقہ الموازنات ہی کی روشنی میں یہ فتویٰ دیا گیا ہے کہ مسلم متدین نوجوان بینکوں اور بیمہ کمپنیوں کی ملازمت ترک نہ کریں، اگرچہ انھیں اس صورت میں بعض گناہ کے کاموں میں بھی ملوث ہونا پڑتا ہے مگر ان کی نیت یہ ہونی چاہیے کہ وہ اسے اسلامی نظامِ اقتصادیات میں بدلنے کی کوشش کریں گے اور امرِ منکر کا انکار کرتے رہیں چاہے یہ انکار صرف دل سے ہی کیوں نہ ہو۔

اگر ہم نے فقہ الموازنات کا لحاظ نہیں کیا تو ہمارا یہ عمل اپنے لیے خوشحالی اور رحمت کے دروازے بند کرلینے، تمام معاملات میں فلسفۂ عدمِ قبولیت کو اختیار کرنے، مشکلات ومصائب سے فرار کی راہیں تلاش کرکے اپنی ذات کے خول میں بند ہوجانے اور اپنے ہی

پیروں پر کلہاڑی مار لینے کے مترادف ہوگا۔

ہمارے لیے یہ بات آسان ہے کہ ہم ہر معاملہ میں فکر و اجتہاد سے کام لیے بغیر ''ناجائز''، ''نہیں اور ''حرام'' کہہ دیں۔

تاہم فقہ الموازنات کی روشنی میں ہم قوانین کے مابین مقارنت، احوال کے مابین امتیاز، آمدنیوں اور نقصانات کے درمیان موازنہ، انفرادی اور اجتماعی ضرورت کے درمیان تفریق کی راہ پاسکتے ہیں، پھر یہ بات ہمارے اوپر منحصر ہے کہ جلب مصلحت یا دفع ضرر میں سے جسے چاہیں، ترجیح دیں۔

مجھے قطر سے نکلنے والے 'دوحہ' نامی ایک ادبی اور ثقافتی رسالے میں لکھنے کے لیے سالوں کہا جاتا رہا جو سیکولر ذہنیت کے حامل افراد کے زیرِ صدارت شائع ہوتا ہے اور جو اسلام سے اگر دور نہیں تو اسلام سے قریب یا اس کو دفاع کرنے والے بھی نہیں ہیں۔ میں بہت دنوں تک پس و پیش میں رہا پھر میں نے جب فقہ الموازنات کی روشنی میں غور کرنا شروع کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ میرا اس رسالہ سے منسلک رہنا اس سے کنارہ کش رہنے کے مقابلے میں زیادہ نافع اور مفید ہے؛ کیونکہ اس کے قارئین جدید خیالات کے مالک ہیں، ''الامۃ'' اور اس طرح کے رسالوں کو نہیں دیکھتے جب کہ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی باتیں ان تک بھی پہنچائیں اور فریضۂ دعوت حق انجام دیں۔

اس بنیاد پر میں بعض ایسے پرچوں اور رسالوں میں شریک ہوجاتا ہوں جن کی تحریروں سے میں متفق نہیں ہوتا۔ بعض اصحاب ان افراد پر ہمیشہ نکیر کرتے رہتے ہیں جو ایسے روزناموں میں مضامین لکھتے ہیں جو اسلامی تحریروں کا التزام نہیں کرتے۔

جب میری کتاب ''الصحوۃ الاسلامیۃ بین الاختلاف المشروع والتفرق المذموم''

سعودیہ کے اخبار ''الشرق الاوسط'' میں قسط وار شائع ہوئی تو بعض دوستوں نے مجھے بھی نشانہ تنقید بنایا، کیوں کہ اس کتاب کے بعض مواقف سے انھیں اتفاق نہیں تھا، مگر میرے نقطہ نظر سے اس کی اشاعت میں لوگوں کا فائدہ تھا۔

اس سلسلے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پڑھنے، سننے اور دیکھنے سے متعلق وسائل نشر و اشاعت کا استعمال فکر و عمل کی گمراہی کا سبب بن سکتا ہے؛ حالانکہ وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اس سے مکمل اجتناب عقل و ضمیر کے لیے ایک عظیم خطرہ کی صورت میں سامنے آئے گا اور اس سے مزید گمراہی اور فساد و انحراف کا اندیشہ ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان پر آزاد خیال اور تجدد پسند حضرات غالب آجائیں جس کے نتیجے میں فتنہ وفساد رونما ہوسکتا ہے اور ہم اس سے بھی محروم ہوسکتے ہیں۔ پھر سوائے ہاتھ ملنے کے ہمیں کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

اور جو شخص بھی فقہ الموازنات کی روشنی میں غور کرے گا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس طرح کے اہم میدانوں میں شریک ہونا نہ صرف یہ کہ مشروع ہے، بلکہ مستحب ہے اور اگر اس سے آگے بڑھ کر یہ کہا جائے کہ واجب ہے تو بے جا نہ ہوگا، کیوں کہ یہ دعوت و تبلیغ کی امانت کی ادائیگی کا ذریعہ اور باطل و منکر کو بقدر استطاعت ختم کرنے کا وسیلہ ہے، اور جو چیز واجب کی تکمیل کے لیے ذریعہ و وسیلہ کی حیثیت رکھتی ہو، اصول فقہ کے مطابق وہ بھی وجوب کا درجہ رکھتی ہے۔

فقہ الاولویات

فقہ الاولویات سے ہماری مراد یہ ہے کہ ہر شے کو وہی مقام و مرتبہ دیا جائے جس

کی وہ مستحق ہے، مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم نہ کیا جائے، اور نہ کسی امر کو چھوٹا سمجھا جائے اور نہ کسی چھوٹے امر کو بڑا۔

دنیا کے قوانین ہی اس کا مطالبہ نہیں کرتے بلکہ احکامِ شرعی بھی اسی کا حکم دیتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کا حکم "ألا لہ الخلق والأمر" دونوں اس ترتیب کی رعایت کو واجب قرار دیتے ہیں۔

عہد مکی میں رسول اللہ ﷺ کی مہم صرف دعوت الیٰ اللہ اور اہلِ ایمان کی تربیت پر مرکوز تھی تا کہ اس تربیت کے نتیجہ میں وہ اس دعوت کو اہلِ عرب اور پھر تمام دنیا تک پہنچا سکیں۔ آپ کی ساری کوششیں اور توجہات صرف اس بات پر مرتکز تھیں کہ لوگوں کے دلوں میں اصولِ عقیدہ، توحید اور اللہ وحدہ کی کامل بندگی کا جذبہ راسخ ہو جائے۔ ان کے دلوں میں شرک سے نفرت اور طاغوت سے تنفر ہو جائے اور وہ فضائل و مکارمِ اخلاق سے مزین ہو جائیں اور اس مرحلے میں قرآن کریم بھی اسی طرز پر لوگوں کا تزکیہ کر رہا تھا، اس دور میں مسلمان مسائلِ جزئیہ اور احکام فروعیہ کے بکھیڑوں میں نہیں پڑے تھے بلکہ ان کی تمام تر توجہات انسانی بنیادوں پر مرکوز تھیں جن کے بارے میں سورۃ والعصر میں کہا گیا ہے:

"وَالْعَصْرِ، اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ، اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ، وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ"

زمانے کی قسم، انسان درحقیقت خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

اس وقت مسلمانوں کو اس بات کی اجازت ہرگز نہیں تھی کہ وہ اپنے کندھوں پر پھاوڑا اٹھائے پھریں اور بتوں کا صفایا کرتے پھریں جنھیں وہ شب و روز بیت اللہ کے ارد

گر دد یکھتے تھے بلکہ انھیں اپنی دفاع کے لیے تلوار اٹھانے اور اپنے اور اللہ کے دشمنوں کا قلع قمع کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی؛ بلکہ قرآن کریم نے جو پیغام انھیں دیا تھا وہ یہ تھا:

''كُفُّوا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ'' (سورۂ نساء ۷۷)۔

''اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز پڑھتے رہو''

حالانکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس حالت میں آتے کہ وہ زخمی اور لہولہان ہوتے۔

ہر چیز کے لیے ایک مناسب وقت ہوتا ہے اگر وقت سے پہلے عجلت پسندی کا مظاہر کیا جائے تو اکثر نفع کے بجائے نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

فقہ الاولویات، فقہ الموازنات کے ساتھ مربوط ہے اور بعض صورتوں میں تو دونوں ایک دوسرے میں مدغم یا ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہو جاتے ہیں؛ کیونکہ کبھی کبھی، فقہ موازنہ فقہ اولویۃ تک جا پہنچتا ہے، اور اس صورت میں وہ فقہ اولویات میں مدغم ہو جاتا ہے۔

اسلام میں عقیدہ عمل پر مقدم ہے۔ عقیدہ بنیاد واساس ہے اور عمل اس کی عمارت، اور حقیقت یہ ہے کہ بغیر بنیاد کے عمارت قائم نہیں رہ سکتی۔ اعمال عقیدہ کے بعد آتے ہیں۔ اور ان دونوں میں ایک بہت بڑا فرق ہے، جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں، ان میں سے اعلیٰ ''لا إلــه إلا الـلـه'' اور ادنیٰ، راستے سے تکلیف پہنچانے والی چیز کا ہٹانا ہے۔

قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نزدیک فضیلت کے اعتبار سے اعمال کے مختلف درجے ہیں، تمام اعمال ایک درجہ کے نہیں ہیں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے:

"اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ● اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ" (توبہ ۱۹-۲۰)۔

(کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجدِ حرام کی مجاوری کرنے کو اس شخص کے کام کے برابر ٹھہرالیا ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور روز آخر پر اور جس نے جانفشانی کی اللہ کی راہ میں؟ اللہ کے نزدیک تو یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اور اللہ ظالموں کی رہنمائی نہیں کرتا۔ اللہ کے ہاں تو انہی لوگوں کا درجہ بڑا ہے جو ایمان لائے اور جنھوں نے اس کی راہ میں گھربار چھوڑے اور جان و مال سے جہاد کیا، اور وہی لوگ کامیاب ہیں)۔

اسی بنیاد پر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے تحریر کیا ہے کہ:

"اعمالِ جہاد کی جنس، اعمالِ حج کی جنس سے افضل و اعلیٰ ہے"۔

بلکہ فقہاء حنابلہ اور دیگر فقہاء نے بھی ذکر کیا ہے کہ نفلی عبادات میں بدنی عبادات جہاد ہی ہیں۔

جہاد کی فضیلت متعدد احادیث میں وارد ہوئی ہے، ان میں سے ایک روایت وہ ہے جسے حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

"رسول اکرم ﷺ کے ایک صحابی کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو میٹھے چشمے پر آباد تھی، انھیں وہ قوم بڑی بھلی معلوم ہوئی۔ انھوں نے فرمایا کہ اگر میں لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرسکتا تو اس قبیلہ میں آکر آباد ہو جاتا۔ مگر میں ایسا رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر نہیں

کرسکتا۔ انھوں نے واپسی میں رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا! ایسا ہرگز مت کرنا۔ تم میں سے کسی کا اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے کھڑا رہنا، گھر میں ستر سالوں تک عبادت کرنے سے بھی افضل ہے''۔ (الحدیث)

اور رباط (سرحدوں کی حفاظت) کی فضیلت میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

''ایک دن رات سرحد پر پہرہ دینا ایک مہینہ کے روزے اور اس کے قیام (نماز تہجد وغیرہ) سے افضل ہے، اور اگر اسی دوران اس کا انتقال ہوجائے تو اس کا یہ عمل برابر جاری رہے گا، اس کو اس کا رزق ملتا رہے گا اور وہ ہر طرح کے فتنوں سے محفوظ رہے گا''۔

مشہور امام عبد اللہ بن المبارک سرحد کی حفاظت پر مامور تھے۔ اسی دوران انھوں نے اپنے رفیق، وقت کے بڑے عابد وزاہد فضیل بن عیاض کے نام خط میں تحریر فرمایا جو اس وقت حرمین (مکہ ومدینہ کے درمیان) میں عبادت میں مشغول تھے۔

''اے حرمین کے عبادت گزار! اگر تو ہمیں دیکھے گا تو پتہ چلے گا کہ تو عبادت کے ساتھ مذاق کر رہا ہے؛ کیونکہ جس وقت تیرے رخسار آنسوؤں سے خضاب لگاتے ہیں اس وقت ہماری گردنیں خون سے رنگین ہوتی ہیں''۔

اصول فقہ کا ضابطہ ہے کہ:

''نفلی عبادت کو فرائض پر مقدم کرنا جائز نہیں، اور فرض عین فرض کفایہ پر مقدم ہے، اور وہ فرض کفایہ جسے ایک یا چند افراد نے دشمن سے حملے سے بچاؤ کی خاطر انجام نہ دیا ہو، اس فرض کفایہ پر مقدم ہے جسے اس شخص نے انجام دیا ہو جسے دشمن سے راستوں کی حفاظت کرنی تھی اور ان کے حملوں سے امت کو بچانا تھا۔ اور وہ فرض عین جو جماعت اور

امت سے متعلق ہو، وہ اس فرض عین پر مقدم ہوگا جس کا تعلق افراد کے حقوق سے ہو۔ اور وہ واجب جس کا وقت محدود ہو اسے اس واجب کے مقابلے میں ترجیح دی جائے گی جس کے وقت میں وسعت ہوگی''۔

اسی طرح اصولی ضابطہ یہ بھی ہے کہ ''مصالح مقررہ آپس میں متفاوت ہوں گی، وہ مصالح جو از قبیل ضروریات ہوں، وہ ان مصالح پر مقدم ہوں گی جن کا تعلق حاجت و تحسین سے ہو۔''

اسی طرح وہ مصالح جن کا تعلق امت کے مصالح اور ان کی حاجات سے ہو، انھیں ان مصالح پر تعارض کے وقت فوقیت حاصل ہوگی، جن کا تعلق افراد کی مصلحتوں سے ہو۔ اس جگہ ہم دیکھتے ہیں کہ فقہ الموازنات، فقہ الاولویات کے ساتھ مل جاتی ہے۔ فقہ الاولویات کا نگاہوں سے اوجھل ہوجانا ہی اس وقت اکثر اسلامی جماعتوں کی سب سے بڑی خرابی ہے۔ اصول کو نظر انداز کر کے فروع کے ساتھ پورا اہتمام کیا جاتا ہے اور کلیات سے چشم پوشی کر کے جزئیات پر توجہات مرکوز کی جاتی ہیں۔ متفق علیہ مسائل کو چھوڑ کر مختلف فیہ مسائل کا سہارا لیا جاتا ہے۔ مچھر کے خون کے بارے میں تو پوچھا جاتا ہے مگر حضرت حسین کا خون ان کے نزدیک ہدر (معاف) ہے۔ بہت سی ضروری چیزوں کو نفلی چیزوں کی بنا پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ حقائق کو نظر انداز کر کے ظاہری شکل وصورت اور ہیئت کو اہمیت دی جاتی ہے۔

اس وقت یہی حال عام مسلمانوں کا ہے، ہر سال لوگ رمضان اور غیر رمضان میں لاکھوں کی تعداد میں عمرہ کرتے ہیں، ان میں سے بعض دسویں یا بیسویں بار حج کرتے ہیں، ان نوافل کی ادائیگی میں جو اخراجات آتے ہیں اگر انھیں جمع کیا جائے تو اربوں کی تعداد کو پہنچ جائیں۔ ہم لوگ فلاحی امور کے لیے سالوں سے ایک ارب روپے جمع کرنے کی

کوشش کررہے ہیں مگر اب تک اس کا ایک تہائی بھی جمع نہیں ہو پایا ہے۔ اگر یہ افراد نفلی حج وعمرہ میں کمی کردیں اور ان رقموں کو ان مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد میں صرف کریں جو آسٹریلیا یا افریقہ میں پریشاں حال ہیں تو کیا ان کا یہ عمل عند اللہ نا قابلِ قبول ہوگا؟ مگر یہ ایک پرانا مرض ہے، جس کی شکایت اطباءِ قلب نے کی ہے۔

فقہ الاولویات کا تقاضہ یہ ہے کہ:

''ہم اس بات کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کریں کہ امور ومسائل میں اولیت واہمیت کن کو حاصل ہے، پھر ان پر اپنی توجہ صرف کریں اور دوسروں کے مقابلہ میں اس پر زیادہ وقت لگائیں''۔

فقہ الاولویات کا تقاضہ ہے کہ:

''ہم یہ بات جاننے کی کوشش کریں کہ دشمنوں میں سے ہم کس پر توجہ کریں اور کس کو پہلے حملے کا نشانہ بنائیں اور کس معرکہ سے اس کا آغاز کیا جائے؛ کیوں کہ انسان اسلام کی نظر میں یا تو مسلمان ہے یا کافر یا منافق، مسلمانوں میں بھی بعض ان پڑھ ہیں اور بعض ذی علم۔

کفار میں سے بعض وہ ہیں جو ہمارے ساتھ مصالحت کے خواہاں ہیں اور بعض وہ ہیں جو ہم سے برسرپیکار رہیں۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن کا جرم صرف کفر ہے اور بعض وہ ہیں جنھوں نے کفر کے ساتھ اللہ کے بندوں کو بھی اس کے راستے سے روکنے کا جرم کیا ہے۔ اور منافقین میں سے بعض چھوٹے نفاق والے ہیں اور بعض بڑے نفاق والے ہیں''۔

تو ہم کس سے آغاز کریں؟ اور کس جہت سے عمل شروع کریں؟ کون سا امر زیادہ رعایت کے لائق ہے؟

فقہ الاولویات کاتقاضہ ہے کہ:

''ہم وقت کے تقاضوں کو پہچانیں اور ان کو دوسرے امور پر فوقیت دیں اور ان کی اہمیت کے مطابق انھیں حق دیں اور انھیں مؤخر نہ کریں''۔

ہمیں اس کا بھی حکم ہے کہ آج کا کام کل پر نہ ٹالیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے ایک دن کہا گیا کہ آج کا کام کل پر نہ چھوڑ دیجیے تو انھوں نے فرمایا کہ مجھے تو ایک دن کے کام نے تھکا دیا ہے اگر دو دنوں کا کام اکٹھا ہو جائے تو کیا حال ہوگا۔

حضرت بن عطاء کا فیصلہ ہے کہ:

''جو حقوق اوقات میں واجب ہوں ان کی قضا تو ممکن ہے مگر خود اوقات کے حقوق کی قضا ممکن نہیں ہے؛ کیوں کہ جو نیا وقت ہمارے پاس آتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی نیا حق اور کوئی اہم عمل ضرور ہوتا ہے''۔

امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' میں صوفیوں کے اس طبقہ پر سخت نکیر کی ہے جو اعمال کے مابین ترتیب کی رعایت نہیں کرتے ہیں؛ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''ایک دوسری جماعت جو نوافل کی حریص ہے مگر فرائض کا ٹھیک طور سے اہتمام نہیں کرتی۔ میں دیکھتا ہوں کہ بعض صوفیاء چاشت اور تہجد کی نماز سے تو خوش ہوتے ہیں مگر فرائض میں انہیں لذت نہیں ملتی اور نہ انھیں ان کے صحیح وقت پر ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے ذہن سے حدیث قدسی کا وہ مفہوم محو ہو جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

''مَا تقرَّبَ المتقربون إلَیّ بِمِثْلِ اَدَاءِ مَا افترضتُ علَیْھِمْ'' (بخاری)۔

''میرے بندے فرائض سے زیادہ کسی بھی چیز کے ذریعہ میرا قرب حاصل نہیں کر سکتے''

عبادات کے درمیان ترتیب کی رعایت نہ کرنا مجموعۂ شرور کی حیثیت رکھتا ہے؛ کیونکہ کبھی کبھی ایک انسان پر دوفرائض عائد ہوتے ہیں مگر ان میں سے ایک کی ادائیگی کا وقت تنگ ہوتا ہے اور دوسرے کے وقت میں وسعت ہوتی ہےتو وہ اگرترتیب کی رعایت نہ کرے گاتو دھوکہ کھا جائے گا۔

اس کی بے شمار نظیریں ہیں، کیوں کہ معصیت بھی ظاہر ہے اور اطاعت بھی، مگر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کس طاعت کومقدم رکھا جائے ،مثلاًفرائض نوافل پر مقدم ہیں، فرائض اعیان فرائض کفایہ پر مقدم ہیں۔جس فرض کفایہ کوکسی نے ادا نہ کیا ہووہ اس فرض کفایہ پر مقدم ہے جسے کسی نے ادا کرلیا ہے۔ اہم فرض عین غیر اہم فرضِ عین پر مقدم ہے۔اسی طرح فوت ہونے والے فرض کوفوت نہ ہونے والے فرض پرترجیح حاصل ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ والدہ کی حاجت والد کی حاجت پر مقدم ہے۔رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا:

’’اے اللہ کے رسول! ہمارے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں۔سوال کیا گیا: پھرکون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں پھر دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں۔پھرکون؟ تو فرمایا: جوزیادہ قریب ہو‘‘(ترمذی،حاکم)۔

تو مناسب ہے کہ صلہ رحمی سب سے پہلے اپنے قریبی رشتے دار سے شروع کی جائے، اگرقرابت میں برابر ہوں تو پھرضرورت وحاجت کالحاظ رکھا جائے، اور اگراس میں بھی برابر ہوں تو پھرتقویٰ وورع کالحاظ کیا جائے۔

اسی طرح اگرکسی نے کسی سے وعدہ کررکھا ہے، اسی دوران جمعہ کاوقت ہوجائے اور

اس بات کا اندیشہ ہو کہ وعدہ وفا کرنے کی خاطر انتظار کرنے سے جمعہ فوت ہوسکتا ہے تو اس صورت میں ایفائے عہد معصیت ہے۔ اگر چہ فی نفسہ ایفائے عہد طاعت ہے۔ اسی طرح اگر کسی کے کپڑے پر نجاست لگ جائے جس کی وجہ سے وہ اپنے والدین اور اہلِ خانہ کو گالی دیتا ہے تو اس جگہ نجاست سے بچنا بھی لازم ہے اور ان کو ایذا دینے سے بھی۔ مگر موازنہ کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ نجاست سے بچنے سے زیادہ اولیٰ، والدین کی ایذا رسانی بچنا سے ہے۔

محقق ابن القیم نے اس سلسلہ میں مختلف اقوال ذکر کیے ہیں کہ کون سی عبادات افضل ہیں:

۱۔ کیا وہ عبادات افضل ہیں جن کی ادائیگی نفس پر شاق ہو؟

۲۔ یا وہ عبادات افضل ہیں جن کا نفع متعدی ہو؟ پھر انھوں نے اس قول کو راجح قرار دیا ہے کہ علی الاطلاق کوئی عبادت افضل نہیں ہے۔ بلکہ وقت اور موقع کی مناسبت سے عبادت افضل ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کسی جگہ فاقہ زدہ افرادِ نانِ شبینہ کے محتاج ہوں تو ان مساکین کو کھانا کھلانا اس وقت تقربِ خداوندی کا سب سے افضل ذریعہ ہے اور جس وقت کفار اسلامی شہر پر لشکر کشی کریں تو اس وقت جہاد افضل ترین عمل ہے، اور مال و اسباب اور اسلحہ جات سے مجاہدین کی امداد کرنا سب سے بڑی نیکی ہے۔ اور جس وقت علماء کرام دنیا سے اٹھ جائیں اور ان کی جانشینی کے فرائض انجام دینے کا مسئلہ درپیش ہو تو اس وقت علمِ دین سیکھنا اور اس میں کمال حاصل کرنا حصولِ علم کا سب سے بڑا ذریعہ اور مومنین کے نزدیک ستائش کا سبب ہے۔ اور اسی طرح دیگر اعمال میں بھی وقت اور موقع ومحل کی مناسبت سے اہمیت وفضیلت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

☆☆☆